ہم کیسے رکھوالے ہیں؟

نبیلہ عزیز
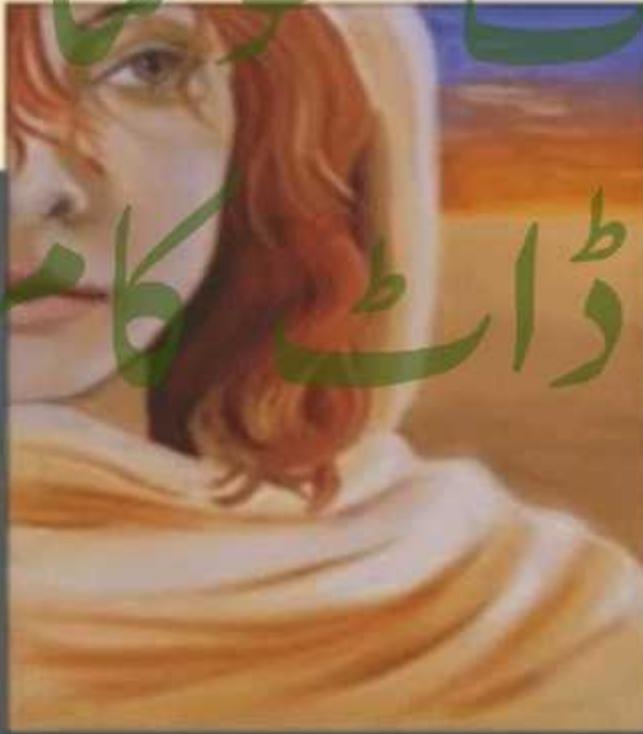
انتساب!

اپنے امی اور ابو کے دو شہزادوں

ابراہیم افضل

اور

سوداگر افضل

کے نام......!

پیش لفظ

میری ذات پہ اللہ کا ایک اور احسان......!

دھیان کروں تو یقین نہ آئے...... پہلے بھی اللہ کے احسانوں اور کرم نوازی کی کمی نہیں رہی، سوچوں تو آنکھوں میں آنسو آ جائیں......وہ واقعی رحیم و کریم ہے، ناچیزوں کو بھی "چیز" بنا دیتا ہے، نبیلہ عزیز بھی ایسی ہی اک ناچیز ہے، لیکن اُس پاک ذات نے مجھے میرے نام کی پہچان بخش کر جہاں مجھ معتبر کر دیا ہے، وہیں مجھے اپنی رحمتوں اور احسانوں کے آگے شرمندہ ہونے اور سر جھکانے پہ مجبور کر دیا ہے، میں اُس پاک ذات کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے......اور اس کے علاوہ اللہ کی کرم نوازی کے بعد میری ذات پہ اگر کسی کا احسان ہے تو وہ میرے امی اور ابو کا ہے، جنہوں نے اس فیلڈ میں آگے بڑھنے کے لیے میرا پورا پورا ساتھ دیا ہے، مجھ پہ اعتماد کیا ہے، اور میرے ساتھ تعاون کیا ہے، اور اس سے بھی بڑی بات کہ میرے لیے اور میری کامیابی کے لیے ڈھیروں دعائیں کی ہیں، خصوصاً میرے ابو جی نے تو ہمیشہ ہر نماز کے بعد میری کامیابی کے لیے باقاعدہ ہاتھ اُٹھا کے دُعا مانگی ہے، اور میں سمجھتی ہوں میرا لکھا ہوا ایک ایک لفظ میرے ابو جی کی دعاؤں کا ثمر ہے، ورنہ میں ناچیز تو کچھ بھی نہیں تھی، اور اسی لیے سوچتی ہوں کہ میں نہ تو اُس پاک ذات کے احسانوں کا بدلہ اُتار سکتی ہوں اور نہ ہی اپنے ابو جی کی دُعاؤں کا......جن کی وجہ سے آج میں اس مقام پہ ہوں کہ اپنی تیسری کتاب کا پیش لفظ لکھ رہی ہوں، اور ہر لکھاری کی طرح میری تیسری کتاب بھی میرے لیے اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ پہلی......میں اپنی تیسری کتاب کی اشاعت پہ بے پناہ خوش ہوں اور بہت سے لوگوں کی مشکور اور ممنون بھی ہوں جن میں جناب گل فراز احمد صاحب کا نام بھی آتا ہے، جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے حوالے سے بھرپور تعاون کیا ہے، میرا ناول "ہم کیسے رکھوالے ہیں؟" جب میں نے لکھنا شروع کیا۔ میں اس پہ بہت اُلجھی ہوئی تھی، میرا ذہن مطمئن نہیں ہو رہا تھا، چند صفحات لکھے اور لکھ کر پھاڑ دیئے، پھر دو روز بعد دوبارہ لکھنا شروع کیا اور دوبارہ صفحات پھاڑ دیئے اور یہ سلسلہ کئی دن تک چلتا رہا......دراصل میں جس موضوع پہ لکھ رہی تھی وہ موضوع بہت حساس موضوع تھا، آج کل کے معاشرے کا انتہائی تکلیف دہ اور شرمناک موضوع، جس میں قابلِ احترام ہستی بھی قابلِ احترام نہیں رہی اور اس چیز سے اخبارات بھرے پڑے ہیں، کبھی جو اخبار کی کسی سُرخی پہ نظر پڑ جائے تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کسی پہ اعتبار کرنے کو دل نہیں چاہتا، اور بے اعتباری سی بے اعتباری گھیرے میں لے لیتی ہے، اور یہی وجہ تھی کہ مجھے احساس ہوتا تھا کہ میں اس موضوع پہ ٹھیک سے لکھ نہیں پاؤں گی، مجھ سے تحریر کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا، لیکن پھر بھی ایک بار ذہن کو اور قلم کو جما کے لکھنا شروع کیا تو پھر لکھتی چلی گئی اور شروع سے اینڈ تک لکھ ڈالا، مجھے نہیں لگتا کہ میں نے اس تحریر کا حق ادا کر دیا ہے ابھی بھی لگتا ہے کہ کچھ اور لکھنا چاہیے تھا......لیکن پڑھنے والوں نے اس تحریر کو بے حد پسند کیا اور سراہا ہے اور کئی لوگوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے اس تحریر کو کئی بار پڑھا ہے اور ہر بار ہی سراہا ہے، اب آپ سب کی کیا رائے ہے یہ جاننے کے لیے "ادارہ علم و عرفان" اور نبیلہ عزیز منتظر ہیں، آپ پڑھیں اور رائے دیں......!

آپ سب کی دُعاؤں کی طالب......آپ کی اپنی

"نبیلہ عزیز"

(ڈھلیاں شریف، ڈگمہ)

ہم کیسے رکھوالے ہیں؟

''روشانے کو دیکھو گے؟'' سمیر نے میرے کان میں سرگوشی کی تھی اور میں بری طرح چونک گیا۔ میں نے تعجب بھری نظروں سے سمیر کو دیکھا، وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شرارت تھی۔

''بولو نا! پھر ٹائم نہیں ملے گا مہمان جمع ہو جائیں گے۔'' اس نے مجھے کہنی مار کے متوجہ کیا تھا۔

''ہوں؟ ہاں ہاں دیکھوں گا۔'' میرے انداز میں تیزی اور تجسس عود کے آیا تھا کیوں کہ اگر آج روشانے کو نہ دیکھتا تو پھر عمر بھر کے لیے حسرت رہ جاتی کیوں کہ کل شادی اور آج مایوں اور مہندی کی رسم تھی۔

''تو پھر آؤ میرے ساتھ۔'' سمیر میرا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا...... ہمیں اسٹیج سے اترتے دیکھ کر تقریباً سب ہی متوجہ ہوئے تھے۔

''کہاں جا رہے ہو تم دونوں؟'' لالہ آپی نے ہمیں گھور کے دیکھا۔

''اوپر بیڈروم میں۔''

''کیوں؟'' وہ میرے قریب آ گئی تھیں۔

''ارے آپی مجھے کیوں گھور رہی ہیں اس سے پوچھیے کہتا ہے باتھ روم جانا ہے۔'' سمیر نے میری طرف اشارہ کر کے مجھے خجل کر دیا تھا اور میں دانت کچکچا کے رہ گیا کیوں کہ وہ میرا ہاتھ چھوڑ کر مجھ سے تھوڑا دور جا کھڑا ہوا تھا۔

''اچھا جاؤ لیکن جلدی آنا مہمان آ رہے ہیں۔'' وہ کہہ کے دوسری سمت چلی گئی تھیں اور میں نے زوردار قسم کا مکا سمیر کی کمر میں جڑ دیا۔ وہ ہنس رہا تھا اور مجھے لے کر اوپر آ گیا۔ اس کو بڑے ٹیرس کی سمت جانے والی راہداری کی طرف بڑھتے دیکھ کر مجھے بے زاری ہوئی۔

''ارے یار! میں نے بڑی تانک جھانک کی ہے لیکن وہ ایک بار بھی نظر نہیں آئی۔ آج تو پھر اتنا ہنگامہ ہے۔''

''جس چیز کے لیے ہنگامہ ہوا سے باہر آنا ہی پڑتا ہے یوں سمجھو آج تیسواں روزہ ہے اور آج چاند ضرور نکلے گا کیوں کہ عید کا اعلان ہو چکا ہے وہ بھی صرف تمہاری عید کا باقی لوگوں کے کل بھی روزے ہی ہوں گے۔'' اس نے آہ بھر کے دروازہ کھولا اور مجھے باہر ٹیرس پر دھکیل دیا تھا۔

دونوں کوٹھیوں میں لائٹنگ اور پھولوں سے کافی آرائش کی گئی تھی اس لیے دونوں کوٹھیاں دلہنوں کی مانند سجی ہوئی تھیں۔ دونوں گھروں میں مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔ بس فرق اتنا تھا کہ لڑکی والوں کی طرف مردوں کی آمد پر پابندی تھی تا کہ لڑکیاں جیسے چاہیں فنکشن انجوائے کریں البتہ لڑکے والوں کی طرف ایسی کوئی پابندی نہیں تھی کیوں کہ لڑکے یہ پابندی لگا کر اپنے پیروں پہ خود ہی ''کلہاڑی'' نہیں مار سکتے تھے ان کے ''دل گردے'' لڑکیوں جیسے مضبوط نہیں تھے لیکن اس کے باوجود زیادہ رونق اور رنگ و بو کا سلسلہ لڑکی والوں کی طرف نظر آ رہا تھا۔

چوڑیوں اور پائلوں کی جھنکار میں ہنسی اور کھلکھلاہٹوں کی کھنک شامل ہو کر اک دلکش سی ترنگ پیدا کر رہی تھی۔ مہندی، ابٹن اور تازہ پھولوں کے گجروں کی مہک نے ماحول کو کافی حد تک مسحور کن بنا رکھا تھا لیکن اس سب سے ہٹ کے میں صرف ایک چہرہ دیکھنے کا متمنی ہو رہا تھا اور لڑکیوں کا جھرمٹ میری تمنا کو بے تاب کر رہا تھا۔

روشانے کو سرخ دوپٹے کی چھاؤں میں باہر لایا جا رہا تھا اور دوپٹے کے سامنے والے دونوں پلو اس کے بھائیوں نے یعنی کاشان اور حنان نے پکڑ رکھے تھے عموماً یہی دیکھنے میں آیا تھا کہ دلہن کی سہیلیاں یا پھر بہنیں دلہن کو لے کر آتی تھیں لیکن یہاں معاملہ الٹ تھا کیوں کہ اس کے بھائیوں کو اس سے پیار بھی تو بہت تھا، بقول علیزے۔

”وہ ہماری گڑیا ہی نہیں چڑیا بھی ہے۔“ اور اب ان کی چڑیا ان کے آشیانے سے اڑنے والی تھی، خیر مجھے کیا فکر؟ اسے اڑ کر ہمارے پاس ہی تو آنا تھا۔ وہ مجھے صاف و واضح نظر نہیں آ رہی تھی، ان کے لان میں اسٹیج نہیں لگایا گیا تھا بلکہ اس کی جگہ ایک بڑے سے جھولے کو رکھ کے گلاب موتیے اور گیندے کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ اس جھولے میں دلہن کے علاوہ دو اور لڑکیوں کی بیٹھنے کی جگہ تھی جو دلہن کے دائیں بائیں بیٹھ کر مہندی یا پھر تیل وغیرہ لگانے کی رسم ادا کر سکتی تھیں۔

روشانے کو اس جھولے میں بٹھا کر ان دونوں بھائیوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، پیار کیا اور وہاں سے چلے گئے کیوں کہ لڑکیوں نے انہیں صرف تھوڑی دیر کے لیے رسم کے لیے برداشت کیا تھا۔ رفتہ رفتہ ہجوم چھٹنے لگا کیوں کہ اب مووی اور فوٹو سیشن شروع ہو چکا تھا۔ انوشہ کے پاس میرا ہینڈی کیم تھا وہ مووی بنا رہی تھی میں نے مطلع صاف دیکھ کر اپنی نظر اس پر مرکوز کر دی اور میں مبہوت ہو گیا۔

میں اسے تقریباً ڈھائی سال بعد دیکھ رہا تھا اور ان ڈھائی سالوں میں وہ اور بھی دلکش اور حسین ہو گئی تھی۔ میری دھڑکنیں اس خوب صورتی پر تھم گئی تھیں۔ میں اگرچہ چالیس پچاس فٹ کے فاصلے سے اسے دیکھ رہا تھا مگر پھر بھی تیز روشنیوں کی بدولت با آسانی دیکھ سکتا تھا۔ وہ چنری کے زرد رنگ لباس میں خود بھی سرسوں جیسی زرد رنگت لیے بے حد پر سوز لگ رہی تھی اور اس کی یہی پر سوز اور بجھی بجھی سپاٹ سی کیفیت میرے دل میں کھٹک سی گئی۔ میرا دل نامحسوس انداز میں دھڑکا کیوں کہ لڑکیاں اس کے ارد گرد اٹھکیلیاں کر رہی تھیں مگر وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسا کوئی رنگ ایسا کوئی عکس نہیں تھا جس کو میں اپنے نام اپنے رشتے! اپنی ذات سے منسوب کر کے خوش ہوتا یا پھر یہ سوچتا کہ وہ میری پناہوں میں آنے کے خیال سے شرما رہی ہے حیا سے مغلوب ہو رہی ہے لیکن کیا کہہ سکتا ہوں؟ دل تو آخر دل ہے ناں؟ الٹا مجھے ہی بہلانے لگا۔ ہو سکتا ہے تھکی ہوئی ہو؟ ہو سکتا ہے موڈ آف ہو؟ ہو سکتا ہے طبیعت خراب ہو؟ ارے بھئی کچھ بھی ہو سکتا ہے اور مجھے اس ”کچھ بھی“ ہو سکتا ہے کو ماننا ہی تھا کیوں کہ میں اس وقت جس پوزیشن میں تھا زیادہ سوچیں پالنے کی فرصت ہی کہاں تھی۔

ہر چیز ہر خیال پس پشت ڈال کر اس کو دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا اور ایسا بے خبر ہوا کہ یہ بھی بھول گیا کہ میرا پیارے دار (سسر) بھی موجود ہے یا نہیں؟ اگر یوں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو کیا ہوگا؟ دیکھنے والے کیا سوچیں گے؟ اور میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔

”کیوں برخوردار کیا ہو رہا ہے؟“ پاپا کی بھاری آواز میرے پیچھے چہکی تھی، ان کا ہاتھ میرے کندھے پر ٹھہر چکا تھا۔

"وہ.....وہ سمیر..... مجھے یہاں....." مجھ سے بروقت کوئی بہانہ نہیں بن سکا تھا۔ میری ساری چالاکی، ذہانت اور سمجھداری میرا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ میں خجل ہو رہا تھا اور وہ مزید مجھے خفت زدہ کر رہے تھے۔

"کیا خیال ہے رخصتی آج ہی کروالیں؟" ان کی ذومعنی نظروں اور بات نے مجھے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! ایسی بے صبری ہو ہی جاتی ہے تمہاری امی بھی اسی آنگن سے بیاہ کر آئی تھیں اور مایوں کی رات میں نے بھی کچھ اسی طرح "دیکھا" تھا لیکن بات یہ ہے کہ ہمارا پہرے دار "وفادار" تھا۔"

انہوں نے شرارت سے کہا اور میں حیرانی سے دیکھنے لگا پھر بات سمجھ میں آتے ہی دونوں باپ بیٹا قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تو گویا میں اپنے باپ کے نقش قدم پر چل رہا تھا کیوں کہ روشانے میری ماموں زاد تھی اور میں اس کی پھوپھو کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ارے..... رے..... بالکل اکلوتا نہیں میرے آگے پیچھے میری دو بہنیں تھیں۔ یعنی ایک مجھ سے بڑی لالہ آپی تھیں اور ایک مجھ سے چھوٹی انوشہ تھی۔ یوں جس گھر سے روشانے آرہی تھی اسی گھر سے میری امی بھی آئی تھیں اور ان شاء اللہ میرا ارادہ تھا کہ ہم اس گھر سے دلہن لانے کا سلسلہ ہمیشہ برقرار رکھیں گے۔ میرا مطلب ہے کہ میرا بیٹا ہوگا تو وہ بھی اسی گھر سے دلہن لائے گا پھر میرے بیٹے کا بیٹا ہوگا پھر اس کے بیٹے کا بیٹا پھر.....

"اب کیا ارادے ہیں نیچے چلو گے یا پھر جوتا اتاروں؟" پاپا نے میرے نسل در نسل چلنے والے خواب میں خلل ڈال دیا تھا اور مجھے فوراً حال میں کھینچ لائے تھے کہ ابھی تو مجھے خود دلہن لے کر آنی تھی۔ لڑکیاں روشانے کو تیل اور ابٹن لگاتے ہوئے خاصا تنگ کر رہی تھیں۔ میں نے گہری سانس کھینچ کر پاپا کو دیکھا۔

"چلیے آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے؟" میں نے آہستگی سے کہا تو وہ میرا مطلب سمجھ کر ہنس دیے تھے۔

"ویسے یار کہتے ہیں کہ مایوں کی دلہن کوئی قسمت والا ہی دیکھتا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"ارے بھئی بڑی سمپل سی بات ہے زیادہ تر لوگوں کو شادی اور ولیمہ والے دن کی دلہن دیکھنا نصیب ہوتی ہے، مایوں والے دن تو سب اپنے اپنے گھروں میں رسم کر رہے ہوتے ہیں اس لیے تمہاری دادی اماں کا کہنا تھا کہ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی دلہن کو مایوں کے دن بھی دیکھ لیتے ہیں۔" انہوں نے بڑے فریش اور جان دار لہجے میں بتایا اور میں ان کی بات سے کافی لطف اندوز ہوا تھا اور دل ہی دل میں سمیر کا مشکور ہونے لگا، جس نے مجھے مایوں کی دلہن دیکھنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ میں دوبارہ اسٹیج پر آکر بیٹھ چکا تھا سب کی رسمیں اور شرارتیں عروج پر پہنچ گئی تھیں۔

☆☆☆

"وصی تم ابھی تک ان لوفروں میں بیٹھے ہو؟ اٹھو اندر جاؤ۔" امی نے آتے ہی مجھے ڈانٹا تھا اور وہ سب ہی "لوفر" پہلو بدل کر رہ گئے تھے۔

"آنٹی بے فکر رہیں زیادہ دیر یہ بھی بیٹھنے والا نہیں ہے یہ تو بس ہمیں "چارہ" ڈال رہا ہے۔" روحیل نے کچھ اس انداز میں کہا کہ میرے ساتھ امی بھی ہنس پڑی تھیں کیوں کہ یہ سچ ہی تو تھا کہ میں تو محض انہیں کمپنی دے کر ان کا دل بہلا رہا تھا ورنہ میرا سارا دھیان تو کمرے میں انتظار کرتی

دلہن بنی روشانے کی طرف ہی تھا جو آج میری ہو چکی تھی "صرف میری۔"

"جاؤ یار جاؤ شادی تمہاری ہوئی ہے جلدی تمہاری امی کو ہو رہی ہے۔ اے اللہ ایسی جلدی کی توفیق ہماری ماؤں کو بھی دے۔"

روحیل نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی آج اسے شادی کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی اور میں بچ بچ کھڑا ہو گیا تھا کیوں کہ حقیقتاً ٹائم کافی زیادہ ہو چکا تھا۔ وہ سب تو اس لیے ریلیکس بیٹھے تھے کہ سب کے گھر قریب قریب ہی تو تھے کون سا دور جانا تھا لیکن مجھے کھڑے ہوتے دیکھ کر ان کو پتنگے لگ گئے۔

"دیکھا او دیکھا کیسے اٹھ اٹھ کر جا رہا ہے رسیاں تڑوا رہا ہے؟" روحیل کی رگ پھڑکی تھی اور میں قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

"میں تو رسیاں تڑوا رہا ہوں تم سنگل تڑواؤ گے خیر اتنی جلدی ہم بھی تیرے ہاتھ پیلے نہیں کرنے والے۔" میں نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا تھا خون خوار نظروں سے دیکھتا چلا گیا۔ سب اس ٹوک جھونک سے محظوظ ہوئے تھے اور اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے چلے گئے تھے ان کو رخصت کر کے آیا تو انوشہ سے سامنا ہوا جو میرے بیڈ روم کے سامنے "سلطان راہی" بنی کھڑی تھی صرف گنڈاسے کی کمی تھی۔

"جی میڈم لگا ہے میرے کمرے کی بولی؟" میں نے ذرا چڑانے والے انداز میں کہا لیکن اس نے چڑنے کی بجائے بچ بچ بولی لگا دی تھی لیکن مجھ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اتنی بھاری قیمت پر اپنے بیڈ روم میں داخل ہو سکتا اور خرید سکتا اور وہ بمشکل رو دھو کر پانچ ہزار پہ آمادہ ہوئی اور میرا راستہ چھوڑ دیا۔ دراصل دن بھر نیگ دینے دلانے میں میری تمام جیبیں خالی ہو چکی تھیں اور اس وقت صرف پانچ نوٹ رہ گئے تھے جو انوشے اڑی تھی خیر سودا کچھ مہنگا تو نہیں تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں اندر داخل ہوتا لالہ آپی کو اپنی سمت آتے دیکھ کر رک گیا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے ان کے ہاتھ میں ٹرے دیکھی۔

"یہ روشانے اور تمہارے لیے دودھ ہے اور یہ اس کی ٹیبلٹ ہیں اس کی طبیعت خراب ہے خیال رکھنا اور ہاں دیکھو۔" وہ جاتے جاتے مڑیں۔ "وہ ابھی نا سمجھ اور کافی چھوٹی ہے اس کی کسی بات کو دل پہ مت لینا، رفتہ رفتہ تمہاری باتوں کو سمجھ جائے گی ٹھیک ہے ناں؟" انہوں نے مجھے سمجھایا تھا اور میں سر ہلا کر اندر آ گیا۔

اندر کا ماحول تو جیسے مدہوشی کے راگ الاپ رہا تھا۔ تازہ پھولوں کی مہک نے عجیب فسوں خیزی پیدا کر رکھی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے پورے شہر کے پھول اکٹھے کر کے میرے کمرے میں پہنچا دیے گئے ہوں۔ بیڈ اور قالین پہ پھولوں کی دبیز تہ تھی، گل دان بھی پھولوں سے بھرے پڑے تھے۔ دروازہ بند کر کے میں نے ٹرے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھی اور دوسری طرف گھوم کر اس کی سمت آ گیا تھا۔ اس کا لہنگا پورے بیڈ پر پھیلا ہوا تھا اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اتنا بھاری کامدار لہنگا اس نے سنبھالا کیسے ہوگا؟ وہ تو نازک سی تھی لیکن شاید اس نے صنف نازک کا یہ ریکارڈ برقرار رکھا تھا کہ شادی کے روز وہ سب کچھ برداشت کر لیتی ہیں چاہے کچھ بھی ہو جائے تو سہہ جاتی ہیں۔

میرے بیٹھنے کی وجہ سے وہ بے اختیار کسمسائی تھی اور چوڑیوں کے ساتھ کئی اور مدھر ساز بج اٹھے تھے۔ اس نے میرے سلام کا جواب اتنی آہستگی اور مدہم آواز سے دیا کہ میں بھی بمشکل سن سکا تھا۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا اور میں نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ اس کا چہرہ پکڑ کر اونچا کر دیا

تھا اور کتنی ہی دیر دیکھتا رہ گیا۔ میں نے اپنے دل کو پاگل ہوتے محسوس کیا، اس کا ہوش ربا حسن ایمان ڈگمگا دینے کے درپے تھے۔ وہ میرا ہاتھ اپنی ٹھوڑی سے ہٹا چکی تھی اور میں بھی جیسے ذرا سنبھلنے کی کوشش کرنے لگا۔

"جانتی ہو میں نے کل تمہیں دیکھا تھا؟" اس نے یک دم پلکیں اٹھائیں، آنکھوں میں حیرت تھی۔

"کب؟" اسے یقین نہ آیا تھا۔

"جب تم اتنے ستاروں میں آنگن کے بیچوں بیچ زرد چاندنی بیٹھی تھیں۔" میرے انداز میں شرارت تھی مگر اسے شاید ناگوار گزرا تھا، جب سے ہماری انگیج منٹ ہوئی تھی وہ کبھی میرے سامنے نہیں آئی تھی اور ویسے بھی میں اتنا عرصہ تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر رہا تھا صرف چھ ماہ ہوئے تھے پاکستان آئے اور کل اتنے عرصے بعد اسے دیکھا تھا وہ بھی ایک دلچسپی اور شرارت کے تحت لیکن اس کی بے تاثر خاموشی مجھے خاصی عجیب لگی تھی۔

"کیوں تمہیں برا لگا میرا دیکھنا؟" میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا تھا جن میں مجھے سرد مہری کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا۔ میں چونک گیا کیوں کہ جو چیز میں دیکھنا چاہتا تھا وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ "خوشی اور شرم" یہ دونوں چیزیں مفقود تھیں اور مجھے ان دونوں چیزوں کی شدید طلب تھی کیوں کہ جب تک عورت کے چہرے پہ خوشی اور شرم کے رنگ نظر نہ آئیں مرد بے چین سا رہتا ہے کیوں کہ ہمیشہ عورت کے چہرے پر رنگ مرد کی وجہ سے ہی آتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ میری وجہ سے ابھی تک اس کے چہرے پہ کوئی رنگ نہیں بکھرا تھا اور میں وہ رنگ دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔

میں نے بے اختیار اس کے مہندی اور چوڑیوں سے سجے خوب صورت دودھیا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے مگر وہ کرنٹ کھا گئی تھی اس نے اپنے ہاتھ یک دم میرے ہاتھوں سے کھینچ لیے اور مجھے اس کی حرکت سے حیرت کا جھٹکا لگا۔ میں نے حیرانی سے دیکھا مگر وہ کسی اضطراب کا شکار نظر آنے لگی تھی۔

"کیا بات ہے کوئی پرابلم ہے؟" میں نے کافی دوستانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"نن نہیں وہ میں...... کپڑے چینج کر لوں؟" اس نے کافی ڈرے سہمے اور معصوم سے انداز میں میری اجازت چاہی تھی اور میں بے ساختہ ہنس پڑا تھا یقیناً اسے یہی ہدایت دے کر بھیجا گیا تھا کہ میرے دیکھنے اور میری اجازت سے پہلے وہ اپنا کوئی بھی سنگھار نہیں اتارے گی اسی لیے وہ ابھی تک اسی طرح بیٹھنے پر مجبور تھی۔

"رونمائی کا گفٹ کیا لو گی؟" میں اس کا اضطراب نظر انداز کرتے ہوئے اس کے قریب جھکا اور وہ غیر محسوس انداز میں پیچھے کھسکی۔

"جو آپ دے دیں۔" اس نے جیسے بمشکل جواب دیا تھا اور میں نے اس کی حالت سے لطف اٹھاتے ہوئے اسے بانہوں میں بھر لیا اور اپنی پیشانی اس کی پیشانی سے ٹکا دی۔ اس کی بندیا اور جھومر کے موتی بے چین ہو گئے تھے بالکل اسی طرح جس طرح وہ خود میری بانہوں کے حلقے میں پھڑپھڑانے لگی تھی۔ اس کے تو جیسے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

"آج کی رات میرے پاس پیار اور شدت کے علاوہ کچھ بھی نہیں جتنا چاہے لے لو۔" وہ میرے لہجے کی گمبھیرتا سے بری طرح بوکھلائی تھی۔ اس کا وجود کانپ رہا تھا۔

"پلیز مجھے کپڑے چینج کرنے ہیں میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"اپنا دل مجھے دے دو پھر نہیں گھبرائے گا میرے دل کے ساتھ رہے گا تو بہل جائے گا اکیلا رکھو گی تو گھبرانا ہی ہے۔"

میری تجویز پہ بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا اس کی سانس جیسے پھول رہی تھی۔ میں اس کی حالت کو گہرائی میں جا کر سمجھنے سے قاصر تھا۔

"ایک شرط پہ چھوڑتا ہوں۔" وہ یک دم چونکی جیسے ہر شرط ماننے کو تیار ہو لیکن میری نظروں کے گستاخ سوال پہ وہ بدک گئی۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی گستاخی یا شرارت کرتا وہ دبے لہجے میں چیخی تھی۔

"پلیز! چھوڑیں مجھے۔" اس کی کوفت پہ میری گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ تیر کی مانند میرے حصار سے نکل گئی تھی۔ گھنٹہ بھر اس نے باتھ روم میں میک اپ صاف کرنے میں لگا دیا تھا پھر کپڑے چینج کیے اور میں انتظار کرتے کرتے جھنجلا گیا تھا۔

"روشانے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" میں نے اسے باتھ روم سے نکلتے دیکھ کر کافی سنجیدہ لہجے میں پوچھا اور بغور اسے دیکھا تھا۔

"میرے سر میں درد ہے میں سونا چاہتی ہوں۔" زیورات دراز میں ڈال کر وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"تو آرام کرو ٹیبلٹ لے لو۔" میں نے نادانستگی میں اس کا ہاتھ پکڑا تھا جو اس نے اس دفعہ بھی جھٹکے سے چھڑا لیا اور میں ٹھٹک گیا۔ وہ بیڈ کی سمت بڑھی اور تکیہ اٹھا کر صوفے پہ چلی گئی تھی اور میں ہکا بکا کھڑا تھا بھی سے کروٹ بدل کے سوئی روشانے کی پشت کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ اس نے ایسی حرکت کیوں کی؟ اسے مجھ سے نفرت تھی؟ چڑ تھی؟ یا پھر میں پسند نہیں تھا، آخر کیا تھا وہ کچھ اظہار تو کرتی۔

"کیا ابھی بھی اظہار باقی ہے؟" میرا دل مجھے پھٹکار رہا تھا۔ میرے دل میں جو کانٹا کل پیوست ہوا تھا آج اس کی جڑیں نکل آئی تھیں مجھے اپنے جذبات میں ہلکے زہر کی آمیزش محسوس ہوئی اس کا رویہ تین چار روز بعد سامنے آتا تو میں غلط ٹھہرایا جاتا لیکن یوں پہلی رات ہی ایسا سلوک مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔ میری رات کانٹوں پہ بسر ہوئی تھی۔ دماغ شل ہو چکا تھا۔

☆☆☆

رات بھر میں جاگتا رہا تھا اور میرے ساتھ میری آنکھیں اور دل بھی جلتے رہے تھے اور اس جلن نے آنکھوں کو سرخ کر ڈالا تھا مگر میرے کزن جو میرے دوست بھی تھے میری آنکھوں کی سرخی کو ''ذومعنی رت جگے'' کا نام دے رہے تھے اور میں ان سے کیا کہتا کہ ہاں میں نے رت جگا منایا ہے لیکن وہ نہیں جو وہ سمجھ رہے تھے بلکہ وہ رت جگا جو صرف میں سمجھ رہا تھا۔ میں انا پسند مرد نہیں تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو ضد اور غصہ بنا لیتا مگر یوں اپنی ذات اپنے رشتے اپنے مقام کو ٹھکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کم از کم کسی ''وجہ'' کے بغیر تو ہرگز نہیں اور وہ کیا ہوسکتی تھی میں سوچ سوچ کر ہار گیا تھا۔

سب ہی کہتے تھے کہ روشانے لڑکے لڑکیوں کے میل ملاپ کو پسند نہیں کرتی، اپنے کزنز سے ملنے میں بھی احتیاط اور گریز کرتی ہے، گھر سے باہر نکلنا اسے برا لگتا ہے، ٹی وی ڈراموں سے دور رہتی ہے، میوزک نہیں سنتی، فیشن نہیں کرتی بالکل سادہ رہتی ہے۔ نماز پڑھتی ہے، چپ رہتی ہے، سمجھدار ہے پھر بھی اب...... اب اسے کیا ہوگیا تھا؟ میں اب تک آتے آتے بری طرح ڈسٹرب ہو چکا تھا۔

''کیا ہوا پریشان لگتے ہو؟'' میرے اور سمیر کے درمیان اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا مسئلہ فوراً سمجھ جاتے تھے لیکن یہ مسئلہ کچھ ایسا تھا کہ میں شیئر نہیں کرسکتا تھا۔ پردہ اور بھرم بھی تو کوئی چیز ہوتے ہیں۔

''کچھ نہیں سر بھاری ہو رہا ہے۔'' میں نے کنپٹی کو انگلیوں سے مسلا۔

''روشانے کی وجہ سے تو نہیں؟'' سمیر بھی آخر روشانے کا کزن تھا وہ شاید اس کے مزاج کو سمجھتا تھا۔

''کیا مطلب ہے؟'' میں نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''میرا مطلب ہے کہ روشانے کی طبیعت جو خراب ہو جاتی ہے کہیں؟''

''نہیں یار میری نیند پوری نہیں ہوئی کچھ دیر سونا چاہتا ہوں۔'' میں نے بیزاری سے کہا تھا۔ اس کی بات پہ مجھے چڑ ہوئی تھی۔

''ہونہہ طبیعت خراب...... وہ تو ٹھیک ٹھاک ہوش وحواس میں تھی۔'' میرا دماغ سلگ گیا تھا۔

''تو پھر تم شام تک آرام کرو ولیمہ کی تقریب تو رات کو ہوگی جب تک فریش ہو جاؤ۔ ہم مہمانوں کو دیکھتے ہیں۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا تھا اور میں کمرے میں آگیا جہاں وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی لڑکیاں اسے چھیڑ رہی تھیں اور وہ کنفیوژ ہو رہی تھی اور میرا دل چاہا کہ لڑکیوں سے کہوں جس غلط فہمی میں وہ اسے چھیڑ رہی ہیں ایسی کوئی ''چھیڑ چھاڑ'' ہمارے درمیان نہیں ہوئی بلکہ وہ کچھ ہوا تھا جو مجھے بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے کمرا خالی کر دیا۔

''رات سونے کے لیے تمہیں یہ بیڈ پسند نہیں آیا تو دن میں اس کی شان کیوں بڑھا رہی ہو؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی میرا لہجہ غصے سے بھر گیا تھا اور وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی مگر مجھے اس کی خاموشی تپا گئی۔

''میں کیا پوچھ رہا ہوں تم سے؟'' مجھے اپنے لہجے کی سختی کا خود علم نہیں ہو رہا تھا۔ اپنی ذات کی نفی کسی گھاؤ کی مانند لگ رہی تھی۔ وہ میرے غصے سے گھبرا کے بیڈ سے کھڑی ہوگئی۔

''میں...... میں چلی جاتی ہوں یہاں سے؟'' وہ تیزی سے باہر نکلنے لگی مگر میں نے کلائی پکڑ کر اسے واپس کھینچا اور دروازہ بند کر دیا۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گی بلکہ تم یہ بتاؤ کہ تمہارا رویہ ایسا کیوں ہے تم مجھ سے الگ کیوں سوئیں؟''

''مجھے کسی اور کے پاس نیند نہیں آتی۔ مجھے ڈر لگتا ہے میں علیزے آپی کے ساتھ سوتی ہوں پلیز میں کسی کے ساتھ رہنے کی عادی نہیں ہوں۔'' وہ بچے سے معصوم انداز میں بولی تھی۔ لہجہ روہانسا ہو رہا تھا۔

اف اللہ یہ معصومیت! ایسی ادا پہ کون کافر نہیں مرتا؟ میں رات بھر کا غصہ اور اذیت بھول کر زم پڑ گیا تھا۔ میری جگہ کوئی پتھر بھی ہوتا تو یقیناً پگھل جاتا وہ ستم گر تھی بھی تو ایسی ہی! میں تو پہلے ہی اس کا گھائل تھا اب اور ہو گیا تھا۔

''تو تمہیں صوفے پر اکیلے سوتے ہوئے ڈر نہیں لگا تھا؟'' اب میرا انداز نرم تھا۔

''لگا تھا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''تو میرے پاس آ جاتیں۔'' میں اپنے کسی جملے کے ردعمل میں اس کے چہرے پہ رنگ دیکھنا چاہتا تھا مگر مجھے ہر بار ناکامی ہو رہی تھی وہ محض سر جھکا کے رہ گئی۔

''چلو کوئی بات نہیں آج ہمت کر لینا تمہیں ڈر نہیں لگے گا۔'' میں تو یہ کہہ کر بھول گیا مگر اس نے اس بات کے زیر اثر شاید پورا دن ٹینشن میں گزارا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب رات گئے ہم میرج ہال سے ولیمہ کی دعوت نمٹا کر واپس آ رہے تھے تو وہ بے چینی سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگی تھی۔

مجھے دلہنوں کے ہاتھ بڑے اچھے لگتے تھے خصوصاً ان پہ دلکش سے نقش و نگار میں رچی مہندی کا رنگ میری توجہ کھینچ لیتا تھا۔ میں دوسروں کی بیویوں کے ہاتھ دیکھتے ہوئے محو ہو جاتا تھا یہ تو پھر میری اپنی بیوی کے ہاتھ تھے جو حقیقتاً خوب صورتی اور دلکشی کا منہ بولتا ثبوت تھے ان پہ مہندی کے دیدہ زیب نقش و نگار مجھے بہکانے کے لیے کافی تھے۔ میری توجہ بٹ گئی میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جتنی آہستگی سے پکڑا اتنی ہی نرمی سے اس کی ہتھیلی کو چوم لیا تھا۔ مہندی کی خوشبو میرے حواسوں میں اتر گئی تھی میں اچھا خاصا بہک چکا تھا اور اس کا تو جیسے دم نکلنے لگا تھا۔

''اب کیوں بے چین ہو رہی ہو کچھ کہنا ہے؟'' میں نے ڈرائیونگ کے دوران گردن موڑ کر اسے دیکھا وہ فیروزی کامدار لہنگے میچنگ جیولری اور میک اپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی میری بات سن کر اس کی سانس بحال ہوئی تھی مگر میری سانس جیسے جکڑی گئی تھی۔

''وہ میں گھر جانا چاہتی ہوں۔ میرا مطلب ہے امی ابو کے گھر.....'' اس نے گھر کو واضح کیا تھا اور میں نے چونک کے دیکھا وہ ابھی بھی ہاتھوں کو مسل رہی تھی شاید اس ہتھیلی کو تو کچھ زیادہ ہی مسل رہی تھی جس پہ میں نے بوسہ دیا تھا یقیناً وہ میرے ہونٹوں کے لمس کو مٹانا چاہتی تھی اور میں نے اس پہ صرف ایک نظر ڈالنے کے بعد اسپیڈ بڑھا دی تھی میں نے تو سزا نجانے کرنے کے لیے اسپیڈ سلو رکھی تھی مگر کیا حاصل تھا ایسے سفر سے جس میں ہم سفر ہی بے زار تھا اور ساتھ چھوڑنا چاہتا تھا فرار چاہتا تھا۔

میں نے گاڑی اس کے گیٹ پہ روکی اس کے امی ابو کا گھر میرے گھر سے پہلے تھا البتہ دیواریں جڑی ہوئی تھیں چوکیدار نے حیران ہوتے ہوئے گیٹ کھولا وہ لوگ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئے تھے سب سے پیچھے میری گاڑی تھی علیزے اور کاشان کی بیوی میری گاڑی کو دیکھ کر ٹیرس سے

نیچے آ گئی تھیں وہ لوگ تو شاید سونے کی تیاری کر رہے تھے کافی ٹائم جو ہو چکا تھا۔

''کیا بات ہے وصی بھائی آپ یہاں؟'' علیزے میری طرف آئی تھی۔

''تمہاری بہن تمہارے پاس سونے کی عادی ہے اس لیے وہ یہیں رہے گی اللہ حافظ۔'' میں کہہ کر گاڑی بیک کر چکا تھا کیونکہ روشانے اتر گئی تھی اور علیزے کے ساتھ بھابھی بھی پریشان ہو گئی تھیں گھر آیا تو لالہ آپی، انوشہ اور امی کو منتظر پایا جو ہم دونوں کا انتظار کر رہی تھیں ان کو بتا کر میں نے کمرے کا رخ کیا وہ بھی دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

گزشتہ دو دنوں سے میں کچھ سنبھل گیا تھا اپنے بے تاب دل کو تھپک کے سلا دیا تھا اور روشانے کے لیے اتنی بے قراری کو بھی دبا دیا تھا بس یہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر اس سارے قصے کی وجہ کیا تھی اس نے ''وصی اکرام'' کو اتنی آسانی سے بے وقعت کیسے اور کیوں کیا تھا میں کوئی افلاطون قسم کا بندہ نہیں تھا مگر اپنے حلقہ احباب میں اور اپنے خاندان میں ایک ٹھوس مقام رکھتا تھا میری شخصیت نظر انداز ہونے کے قابل تو نہیں تھی بلکہ میں تو جہاں بھی جاتا تھا اپنی پرسنالٹی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے ہمیشہ ستائش سمیٹتا تھا اور مرکز نگاہ بن جاتا تھا انگلینڈ میں بھی مجھے امتیازی سلوک سے نوازا گیا تھا لیکن یہاں روشانے؟ میرا دماغ تھک گیا سوچ سوچ کر اس لیے میں نے دو دن سے اسے سوچنا چھوڑ رکھا تھا لیکن اس وقت امی پھر اسے میرے اعصاب پہ سوار کر رہی تھیں۔

''آج اسے لینے جانا ہے تین دن ہو گئے ہیں گئے ہوئے تم نے تو ایک بار بھی اسے لانے کے لیے نہیں کہا۔'' میں جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے رک گیا، انوشہ امی کی بات پہ مسکرائی تھی۔

''لگتا ہے خفا ہیں۔''

''ارے ایک دن کی دلہن سے کیوں خفا ہونے لگا آج کل کے دولہوں میں تو دلہنوں کے ناز نخرے ہوتے ہی ہیں۔'' وہ روشانے کی پھوپھی تھیں اس لیے بھتیجی کے حق میں بول رہی تھیں میں چاہ کر بھی کچھ نہ کہہ سکا تھا۔ میں آفس جوائن کر چکا تھا فارغ رہ رہ کر دماغ خراب کرنے سے مصروفیت بھلی تھی ناشتا ختم کرتے ہی اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔

''ہونہہ لینے جانا ہے...... پہلے اس سے پوچھ تو لیں وہ آئے گی بھی یا نہیں؟'' گاڑی نکالتے ہوئے میں اکیلا ہی بڑبڑا رہا تھا دھیان پھر اسی کی سمت ہو چکا تھا۔

☆☆☆

رات کو جان بوجھ کر لیٹ آیا تھا تاکہ اس کو لینے نہ جانا پڑے اور بچ بچ میں اس تکلف سے بچ گیا تھا رات کے دس بج رہے تھے اور وہ انوشہ کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی مجھے دیکھ کر اس کے چہرے کی رنگت پل بھر میں بدلی تھی۔

''بھائی کتنی دیر کر دی آپ نے ہم نے اتنا انتظار کیا تھا آپ کا؟'' انوشہ کشن گود سے نکال کر میری طرف بڑھی۔

"کیوں میرا انتظار کیوں کیا؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے میں وہیں بیٹھ گیا۔

"بھابی کو لینے جانا تھا!" وہ میرے برابر بیٹھ چکی تھی اور بھابی صاحبہ کے سر پہ جیسے موت کے فرشتے آ کھڑے ہوئے تھے۔

"میری موجودگی اتنی اہم نہیں میری جان۔" میں نے بظاہر انوشہ سے کہا لیکن جس کو سنایا تھا وہ کھڑی ہوگئی تھی۔

"ٹھیک ہے انوشہ تم بیٹھو میں چلتی ہوں۔" وہ وہاں سے چلی گئی۔

"بھابی علیزے آپ کا پوچھ رہی تھی کچھ فکرمندی تھی شاید کچھ کہنا چاہتی ہو۔" انوشہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہوسکتا ہے، خیر تم کھانا لگواؤ مجھے بھوک لگی ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ تھپکا اور وہ فوراً اٹھ گئی امی کی خفگی کا مجھے اندازہ تھا لیکن اچھا ہوا کہ وہ ذرا جلدی سونے چلی گئی تھیں ورنہ اتنی دیر سے آنے پر ڈانٹ متوقع تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہی میں بیڈروم میں آیا تھا وہ نماز پڑھ رہی تھی میں کپڑے بدل کر لیٹ گیا اور اس کی نماز اتنی طویل ہوئی کہ میں گہری نیند سو گیا مجھے کچھ پتا نہ چلا کہ اس نے کب سلام پھیرا ہوگا اور کب دعا مانگی دعا میں بھی اس نے میری نیند ہی مانگی ہوگی مجھے سو فیصد یقین تھا کہ وہ مجھ سے بچنے کے لیے اتنی طویل عبادت میں مشغول ہوئی ہے۔

☆☆☆

میں آج بڑے دنوں بعد سمیر کی طرف آیا تھا وہ لوگ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے خصوصاً ماموں ممانی تو زیادہ خوش دکھائی دیے تھے جبکہ عاشیہ اور اشعر باقاعدہ شکوے کر رہے تھے کہ میں شادی کے بعد سب کو بھول گیا ہوں اور کم نظر آتا ہوں البتہ سمیر نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔

"تم روشانے کو بھی لے آتے۔" ممانی جان نے کہا اور میں پل بھر کے لیے چپ ہوا پھر جواب دینا ہی مناسب سمجھا۔

"وہ نماز پڑھ رہی تھی۔ میں گیٹ سے نکلا تو بے ارادہ ہی آپ کی طرف چلا آیا۔ سوچ سمجھ کر آتا تو یقیناً لے آتا۔" میں نے حقیقتاً ان کو ٹھیک ٹھیک جواب دیا تھا۔

"تم انگلینڈ کیوں جا رہے ہو؟" ماموں جان نے پوچھا۔

"چاچو نے اپنا بزنس شروع کیا تھا اور اس بزنس کی کچھ ڈیلز میں نے کی تھیں اب ان میں کوئی مسئلہ ہو رہا ہے اور چاچو کا کہنا ہے کہ میں وہاں جا کر انہیں حل کروں۔ اس لیے جانا تو پڑے گا ورنہ ان کا کافی نقصان ہوسکتا ہے اور ویسے بھی میرا خیال ہے کہ میں بھی ان کے بزنس میں پارٹنرشپ اختیار کرلوں جو ملک سے باہر کام ہوگا وہ دیکھ لیا کریں گے اور جو یہاں برانچ ہوگی وہ میں دیکھ لیا کروں گا۔"

"ہوں! آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن اتنا پھیلاؤ سنبھال لو گے تمہارے پاپا کا بھی تو بزنس تمہاری ذمہ داری ہے؟"

"انشاء اللہ دونوں کام دیکھوں گا پاپا بھی تو آفس جاتے ہی ہیں نا......" میں نے کام کی تمام پلاننگ کر رکھی تھی۔ ماموں جان کو میرے ارادے اور آگے بڑھنے کی لگن دیکھ کر خوشی ہوئی تھی پھر وہ لوگ چلے گئے تو میں سمیر کے ساتھ لان میں نکل آیا۔

"اپنے آپ کو اتنا مصروف کیوں کر رہے ہو؟" سمیر نے کافی سنجیدگی سے پوچھا۔ مجھے حیرانی ہوئی تھی۔

"میری بات شاید تمہیں اچھی نہ لگے لیکن یہ حقیقت ہے، جن لوگوں کی نئی نئی شادیاں ہوتی ہیں وہ گھر پہ اور فارغ رہنا پسند کرتے ہیں لیکن تم

تو گھر سے باہر اور معروف رہنے کی کوشش کرنے لگے ہو۔"

"سمیر میری شادی کو دو ہفتے ہو چکے ہیں اب شادی پرانی ہو گئی ہے آخر کب تک اس "نئی نئی شادی" کا دم چھلا ساتھ لگائے رکھوں؟" مجھے اس کی بات سے چڑ ہوئی تھی اور ویسے بھی میں آج کل ہر بات سے ہر آدمی سے چڑنے لگا تھا۔ نئی زندگی کے حوالے سے جتنے خواب اور خواہشیں تھیں وہ ملیا میٹ کیا ہوئیں میں ہر چیز سے بےزار ہو گیا تھا۔

"واپس کب تک آؤ گے؟" سمیر نے شاید میرا بےزار موڈ دیکھ کر بات بدل دی تھی۔

"ایک ڈیڑھ ماہ لگ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے میرا خیال ہے کہ آب و ہوا بدل کے دیکھو یقیناً چڑچڑا پن ختم ہو جائے گا تب ہی کسی موضوع پر اچھے طریقے سے بات ہو سکتی ہے۔" سمیر نے مجھے چھیڑا اور میں اپنے کوفت زدہ دماغ کو ریلیکس کرنے لگا۔ اس لڑکی نے مجھے بددماغ بنا دیا تھا۔

☆☆☆

میری امی تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں اور بھائیوں کو بےحد پیاری تھیں۔ صرف بھائیوں کو ہی نہیں میرے پاپا کو بھی پیاری تھیں۔ میرے پاپا میری امی کے ساتھ والے بنگلے میں رہتے تھے اس وقت اس رہائشی ایریا میں صرف یہی دو بنگلے سب سے پہلے تعمیر ہوئے تھے یوں دونوں گھروں کے افراد کا آمنا سامنا ہوتا رہتا تھا اور امی کا میرے پاپا سے بھی سامنا ہو گیا اور بات پسندیدگی اور شادی تک چلی گئی۔

پاپا کا چال چلن اور فیملی بیک گراؤنڈ کافی اچھا تھا سو شادی طے پا گئی۔ امی کی شادی سے ایک دن پہلے ماموں احمد رضا کی شادی بھی طے پائی تھی جو بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ یوں امی بیاہ کر ایک گھر سے دوسرے گھر آ گئیں۔ میرے پاپا کے صرف ایک بھائی تھے جو انگلینڈ تعلیم کے سلسلے میں گئے تھے لیکن شادی کر کے وہیں کے ہو کر رہ گئے تھے اس لیے پاپا کی فیملی مختصر تھی مگر امی کی فیملی تین بھائیوں پہ مشتمل تھی بڑے ماموں کی شادی کے بعد منجھلے ماموں کی شادی ہوئی تو انہیں ساتھ والے بنگلے میں الگ کر دیا گیا پھر سب سے چھوٹے ماموں کے ساتھ بھی یہی ہوا جس کی بدولت ایک ہی لائن میں چار بنگلے چار بہن بھائیوں کی ملکیت ہو گئے تھے اور اس بات پہ ہمارے جاننے والوں کو بڑی دلچسپی ہوتی تھی کہ ایک ہی اسٹریٹ میں چار بنگلے ایک ہی فیملی کے خاصی حیران کن اور دلچسپ سی بات تھی۔

سب سے پہلے بنگلہ چھوٹے ماموں کا تھا جن کے تین بچے تھے۔ سمیر، عانیہ اور اشعر۔ اس کے بعد منجھلے ماموں کا گھر تھا جن کے پانچ بچے تھے۔ عنید، جمشید اور روحیل دو بہنیں تھیں زرین اور مہرین۔ پھر سب سے بڑے ماموں تھے ان کا بنگلہ میرے بنگلے کے ساتھ تھا یعنی ان کا بنگلہ تیسرا اور میرا چوتھا اور آخری نمبر پہ تھا ان کے چار بچے تھے کاشان، علیزے حنان اور روشانے۔

کاشان کی شادی زرین سے ہوئی تھی اور علیزے کا نکاح عنید سے ہو چکا تھا۔ عنید فارن سروس میں تھا آج کل ملک سے باہر ہوتا تھا۔ سب سے آخر میں میری امی تھیں جن کے تین چراغ تھے لالہ رخ، وصی یعنی میں خود اور انوشہ۔ مجھے بچپن سے ہی ہائر اسٹڈی کے لیے انگلینڈ جانے کا شوق تھا اور جب میرے چاچو کو علم ہوا تو انہوں نے فوراً مجھے انگلینڈ بلوا لیا۔ یہ نہیں تھا کہ اگر وہ نہ بلواتے تو میرا شوق پورا نہیں ہو سکتا تھا

بس بات یہ تھی کہ ایک گھر کا احساس نہیں مل سکتا تھا جو انہوں نے مجھے بھرپور انداز میں دیا تھا۔ ان کے بیوی بچوں نے بھی میرا بہت خیال رکھا تھا اور میں نے چار سال بڑے سکون سے گزارے تھے البتہ ان چار سالوں میں میں نے ایک چکر پاکستان کا لگایا یعنی دو سال پہلے پاکستان آیا تب امی نے میری پسند پوچھی اور میں نے بے پروائی سے کندھے اچکا دیے کیوں کہ مجھے سچ مچ کوئی لڑکی پسند نہیں تھی تب انہوں نے روشانے کا ذکر کیا تھا۔

میری امی اور بڑے ماموں احمد رضا میں کافی انڈراسٹینڈنگ تھی۔ علیزے کا نکاح میرے آنے سے پہلے ہو چکا تھا اس لیے اب امی روشانے والا چانس مس نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ جس روز میری اور روشانے کی انگیج منٹ ہوئی اسی روز میں نے اپنے سے کافی چھوٹی روشانے کو کافی اچھی طرح "نگاہ بھر کے" دیکھا تھا اور وہ میرے دل میں اتر گئی تھی بعد میں میں انگلینڈ چلا گیا اور واپس آنے کے بعد بھی اسے نہ دیکھ سکا تھا حالانکہ اسے دیکھنے کی کافی کوشش کی تھی پھر یہ چانس سمیر نے دیا تھا اور میں نے ڈھائی سال بعد اسے دیکھا تھا وہ بھی مایوں کے روز جب وہ میرے حوالے سے پیلا جوڑا پہن چکی تھی۔

☆☆☆

"وصی کب آ رہے ہو تم؟ صرف ایک ماہ کا کہہ کے گئے تھے دو ماہ ہو گئے ہیں اب؟" امی کی آواز بہت بے چین اور ذرا سخت تھی میں اپنی سیٹ سے اٹھ کر گلاس ونڈو کے پاس آ گیا جس کے پار برف باری ہلکی پھوار کی صورت جاری تھی باہر موسم بہت سرد تھا اور کچھ ایسا ہی موسم میرے اندر بھی سما چکا تھا۔

"تم سن رہے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟"

"جی امی سن رہا ہوں، جلد آنے کی کوشش کروں گا۔ دراصل کام زیادہ ہو گیا ہے۔"

"مجھے تمہارے بہانوں کی کوئی ضرورت نہیں، میں آج ہی بہرام سے کہتی ہوں وہ تمہیں پاکستان بھیجے۔" انہوں نے مجھے چاچو کے نام کی دھمکی دی تھی۔

"پلیز امی کیوں پریشان ہوتی ہیں جیسے ہی کام ختم ہوتا ہے آ جاؤں گا۔" میں نے انہیں ٹوک دیا۔ دراصل میں اپنے دل کو جلنے سے بچا رہا تھا کیوں کہ مجھے پتہ تھا جتنا اس کے قریب رہوں گا اور وہ مجھ سے دور رہے گی مجھے ٹینشن ہوتی رہے گی اور ویسے بھی میرے جذبات کو تازہ تازہ چوٹ لگی ہوئی تھی دوبارہ سے ٹھکانے پہ آتے ہوئے تھوڑا ٹائم تو چاہیے تھا۔ آخر شادی کے بعد دو ڈھائی ہفتے ہم اکٹھے لیکن اجنبی بن کے رہے تھے اور دو ڈھائی ہفتے ہی میں نے ذہنی ٹینشن میں گزارے تھے اب مجھ میں مزید حوصلہ نہیں تھا۔

"اچھا یہ لو روشانے آ گئی ہے اس سے بات کر لو۔" امی نے ایک جھٹکے سے مجھے سوچ کے شکنجے سے نکالا اور سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ریسیور اسے تھما دیا گیا تھا۔ یقیناً وہ بھی اس اچانک افتاد پہ بوکھلا گئی ہو گی جو کافی بوکھلائے ہوئے انداز میں مجھے سلام کیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟" میرے جواب کے بعد اس نے جیسے مروت نبھائی تھی۔ میرا دل چاہا موبائل کو دیوار پہ دے ماروں اور کہوں "ایسا ہوں" لیکن مروت تو نبھانا تھی جیسے وہ نبھا رہی تھی۔ "تمہاری دعاؤں سے بہت اچھا ہوں تم سناؤ کیسے دن گزر رہے ہیں؟"

''جی جی بہت اچھے......''

''وہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن ایک بات تو بتاؤ تم نے شادی کیوں کی؟'' میرا سوال یقیناً عجیب تھا لیکن میں بچ مچ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی وہ......امی اور علیزے آپی نے مجھے......''

''کیا......؟'' اس نے ہمت کرکے شاید سچ بول ہی دیا تھا اور مجھے کرنٹ چھو گیا تھا۔

''جی میں سچ کہہ رہی ہوں، مجھے شادی نہیں کرنی تھی۔ میں نے انکار کر دیا تھا مگر مجھے پریشرائز کیا گیا سب کہتے تھے کہ مجھے مان جانا چاہیے میں......میں منگنی توڑنا چاہتی تھی میں نے کافی کوشش کی تھی۔ وصی میں آپ کو پسند نہیں کرتی۔ میں کسی کو بھی پسند نہیں کرتی۔ میں آپ کو دھوکا نہیں دے سکتی۔ میں آپ کا ساتھ نہیں......''

وہ جلدی جلدی بول رہی تھی اور اس کی سانس پھول رہی تھی اس نے یہ سب اس لیے کہہ دیا تھا کہ میں اس کے سامنے نہیں تھا۔ آنکھوں سے اوجھل تھا اگر سامنے ہوتا تو یقیناً وہ ایک لفظ کہنے کی بھی ہمت نہ کرتی اور میں سب کچھ سن کے پاگل ہو گیا تھا۔ میرا دماغ چکرا گیا تھا میں صرف اتنا کہہ سکا ''میں کل کی فلائٹ سے پاکستان آ رہا ہوں۔'' فون بند ہو چکا تھا اور میرے اعصاب جھنجھنائے ہوئے تھے۔

''خیریت آج واپس چلنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟'' چاچو گلاس ڈور کھول کر اندر آ گئے تھے۔ میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ میری کیفیت سے ٹھٹک گئے۔

''آر یو آل رائٹ وصی؟''

''یس اٹس آل رائٹ!'' میرا لہجہ بھی کچھ بے تاثر سا ہو رہا تھا۔

''تو پھر اس طرح کیوں کھڑے ہو جیسے سب جمع پونجی لٹ گئی ہو؟'' اور......حقیقتاً میری جمع پونجی لٹ گئی تھی جب ایک آدمی کا ہم سفر اسے کہہ دے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتا اس سفر پہ باخوشی اس کے ساتھ نہیں آیا زبردستی بھیجا گیا ہے وہ اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تو جمع پونجی لٹ ہی جاتی ہے کیوں کہ یہ جمع پونجی روپے پیسے پہ مشتمل نہیں ہوتی، یہ تو دل اور دل کے ارمانوں پہ مشتمل ہوتی ہے۔ ارمان راکھ ہو جائیں تو دل بھی کوئلے کی مانند ہو جاتا ہے۔ کبھی دہک اٹھا کبھی سیاہ ہو کر رہ گیا اور میرا دل اس وقت سیاہ ہو رہا تھا۔

''میں پاکستان جا رہا ہوں۔'' میں نے انہیں اطلاع دی۔

''ارے یہ تو اچھی بات ہے میں خود تم سے کہنے والا تھا یہاں کا کام میں دیکھ لوں گا تم واپس جاؤ۔ نئی نویلی دلہن اداس ہو گی۔ آخر ہم خیال نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟'' وہ میرے ساتھ ہی آفس بلڈنگ سے نکل آئے تھے برف باری کے ساتھ بارش شروع ہو چکی تھی اور اب زیادہ زور بارش کا ہی تھا۔

ہم اس وقت مانچسٹر میں تھے اور مانچسٹر سے ہمیں بولٹن جانا تھا۔ چاچو کی رہائش بولٹن میں تھی بولٹن ایک چھوٹا شہر تھا البتہ کافی پرسکون تھا اور چاچو کے زیادہ جاننے والے بھی بولٹن میں ہی رہتے تھے لیکن کام کے سلسلے میں انہیں مانچسٹر آنا پڑتا تھا۔ ان کا آفس بھی مانچسٹر میں تھا اس لیے وہ صبح

آتے تھے اور شام کو واپس گھر جاتے تھے۔ دو ماہ سے میری بھی یہی روٹین تھی اس لیے ڈرائیونگ کا فریضہ میں ادا کرتا تھا مگر آج چابی خود ہی چاچو کی طرف بڑھا دی تھی۔ وہ شاید میری گم صم حالت جان گئے تھے اس لیے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ میرے کانوں میں روشانے کے الفاظ گونج رہے تھے اور میرا فشار خون بلند ہونے لگا تھا میرے اعصاب تنے ہوئے تھے۔ سیاہ رات میں چمکتی دمکتی زندگی روڈ پر رواں دواں تھی مگر میں ہر رونق سے بے بہرہ ہو چکا تھا صرف چند الفاظ یاد تھے۔

☆☆☆

"روشانے مجھ سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی تھی کیوں اسے زبردستی راضی کیا گیا؟ میں نے یہ سوال علیزے کے سامنے رکھا تھا اور وہ چند ثانیے خاموش رہ گئی تھی۔

"بولو علیزے تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟" میرا انداز سخت ہو گیا تھا۔ میں نے آتے ہی علیزے سے ملنے کا سوچا اور پھر اگلی صبح اسے اپنی عدالت میں کھڑا کر دیا۔ میں اس وقت ان کے ڈرائنگ روم میں تھا اور علیزے میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی۔ شادی کے بعد اپنی سسرال میں یہ میری پہلی آمد تھی اور شادی کے بعد علیزے سے ملاقات بھی پہلی دفعہ ہو رہی تھی۔

"آپ نے اس کے ساتھ رہتے ہوئے کیا محسوس کیا ہے؟" الٹا وہ مجھ سے سوال کر رہی تھی۔ مجھے اس کے سوال پر ہنسی آ گئی تھی۔ استہزائیہ ہنسی۔

"میں اس کے ساتھ رہا ہی کب ہوں؟" میرا جواب یقیناً ہر لحاظ سے ٹھیک تھا۔

"کیا آپ کو یہ محسوس نہیں ہوا کہ وہ "ڈرتی" ہے؟" اب کی بار میں چونک گیا تھا۔ شاید وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"وصی بھائی! یہ بات شاید آپ کو معلوم ہے یا نہیں لیکن سب جانتے ہیں کہ روشانے اکثر ڈر جاتی ہے اور اس کا ڈر اس حد تک شدید ہے کہ ہم ہزار کوششوں کے بعد بھی اس کا بہتر طریقے سے علاج نہیں کروا سکے کیوں کہ وہ ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتی اگر ہم زبردستی لے جاتے ہیں تو وہاں رونا دھونا اور چیخنا چلانا شروع کر دیتی ہے، ایسے میں کوئی بھی اس کا مرض اور نفسیات نہیں جان پاتا وہ اجنبی غیر لوگوں کے سامنے نہیں جاتی اور کبھی اتفاقاً ایسا ہو جائے تو اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی سانس پھولنے لگتی ہے اور رنگت بدل جاتی ہے وہ صرف مجھ پر ڈیپنڈ کرتی ہے شاید اس لیے کہ میں اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے کافی نرمی سے پیش آتی ہوں اور جو کچھ وہ چاہتی ہے وہی کرتی ہوں۔

دراصل اس کے دل و دماغ میں کوئی خوف بیٹھ گیا ہے وہ اکیلی نہیں سو سکتی ہمیشہ میرے پاس میرا ہاتھ پکڑ کر سوتی تھی کہیں جانا پڑ جائے تب بھی میرے ساتھ جانا پسند کرتی تھی اس نے مجھے اپنی ڈھال بنا لیا تھا جس روز طوفانی بارش ہو اس روز خوف سے قریب المرگ ہو جاتی ہے اور جہاں شادی بیاہ کا ذکر ہو جائے تو وہ بھی اس کے لیے موت کے ذکر کے برابر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اور انکار کر دیتی تھی اس کے انکار کے پیچھے ایسی ویسی کوئی بات نہیں، صرف ڈر اور خوف ہے اور یہ ڈر، خوف کیوں ہے ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔

میری ایک دوست کی امی ماہر نفسیات ہیں، میں نے روشانے کا مسئلہ ان سے بیان کیا تھا اور انہوں نے صرف اتنا اندازہ لگایا تھا کہ وہ "مردوں" سے ڈرتی ہے جب اس کی شادی ہو جائے گی تو اس کا ڈر زائل ہو جائے گا اور وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ یہ سب کچھ میں آپ کو آپ کی شادی

سے پہلے ہی بتا دینا چاہتی تھی لیکن فرصت ہی نہیں ملی کہ یہ مسئلہ آپ سے شیئر کرتی، کبھی آپ نہیں ملتے تھے اور کبھی ہم شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔اب آپ بتایئے کہ آپ کیا کہتے ہیں اور اس چیز کو کیا نام دیں گے؟"

علیزے نے ساری بات تفصیل سے بتائی تھی اور تب میرے ذہن میں جھما کا ہوا تھا۔ مجھے یاد آیا تھا کہ روشانے دس بارہ سال کی تھی جب ایک دفعہ ڈر گئی تھی اور اس حد تک خوف زدہ تھی کہ ہم سب اکٹھے ہو گئے تھے پھر دو تین دن بخار میں رہی اور بعد میں سب بھول گئے تھے لیکن کبھی کبھی یہ بات سننے میں آتی تھی کہ روشانے کی طبیعت خراب ہے، ڈر گئی ہے اور ایسا کئی بار ہوا تھا مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ ڈرتی کس چیز سے ہے یا پھر ابھی بھی اس کا ڈر ہنوز ہے، یہ بات تو مجھے آج علیزے کی باتوں سے معلوم ہوئی تھی۔

"تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے زندگی اس طرح تو نہیں گزرتی؟" میں غصہ اور خفگی بھول کر متفکر ہو چکا تھا۔

"آپ کو برداشت کرنا ہوگا،صبر سے کام لینا ہوگا اور ایک اچھے ساتھی کی طرح اس کا ساتھ دینا ہوگا اس کے علاوہ میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کا ڈر ختم کرنے کی کوشش کریں، اسے اعتماد دیں وہ ایک دم سے ٹھیک نہیں ہوگی۔ اسے یقین اعتماد اور اپنائیت کے بل بوتے پر رفتہ رفتہ ٹھیک کرنا ہوگا کیوں کہ میری دوست کی امی کا کہنا ہے کہ اس کا شوہر ہی اس کو ٹھیک کرنے میں مدد دے سکتا ہے اور اس کی شخصیت کو اس کے مقام پر لا سکتا ہے کام مشکل ہے مگر ناممکن نہیں کیوں کہ وہ پیدائشی ڈری بھی نہیں تھی۔" میں علیزے کی باتوں کو کافی غور سے سن رہا تھا۔

"یعنی اس کی بیماری کے پیچھے کوئی راز کوئی بڑی وجہ ہے جو وہ اپنی اصل شخصیت سے ہٹ گئی یقیناً اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا تھا ورنہ وہ سب کی طرح بالکل نارمل تھی۔" میں پرسوچ انداز میں کہتا کھڑا ہو گیا تھا۔

"حادثہ کیا ہو سکتا ہے جس کے بظاہر کوئی اثرات نہیں تھے؟" علیزے بھی الجھ رہی تھی۔

"علیزے! حادثہ بظاہر ہوا ہی نہیں ہے جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے دل و دماغ کے ساتھ ہوا ہے اور اثرات ابھی تک باقی ہیں جو اس کی سوچ سے نکل نہیں رہے اور میں یہ اثرات نکال کے رہوں گا میں اسے نارمل زندگی میں لا کر رہوں گا یہ میرا وعدہ ہے۔" میں نے علیزے کو یقین دلایا تھا اور وہ خوشی سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ٹھیک یوسی بھائی! آپ نے میرے دماغ سے اتنا بڑا بوجھ ہٹا دیا ہے ورنہ میں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی ہوں آپ نہیں جانتے جب سے اس کی شادی ہوئی ہے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے وہ رات رات بھر جاگتی رہتی ہے، وہ خود بتا رہی تھی کہ وہ ڈر کی وجہ سے سو نہیں پاتی۔"

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے؟ وہ میری بیوی ہے میری زندگی کا حصہ ہے اس کے لیے کچھ کرنا اپنے لیے ہی تو ہوگا۔ اوکے میں چلتا ہوں ڈونٹ وری سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے پلٹ کر علیزے کا سر تھپکا وہ مسکرا دی۔

"چائے تو پیتے جائیں پہلے والی ٹھنڈی ہو گئی ہے۔"

"نہیں چائے تمہاری لاڈلی اور بزدل چڑیا سے پیوں گا۔" میں نے شرارت سے کہا وہ ہنس پڑی۔

"کام کرنے سے انکار نہیں کرے گی جتنے چاہے کروالیں بس اسے ڈرائیں مت۔" علیزے پیار سے بولی تھی۔

"اب دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ خیر تم اپنی ڈاکٹر آنٹی سے میرا رابطہ کروا دینا نہیں تو میں خود کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے رابطہ کرلوں گا تھوڑی ہیلپ تو لینا پڑے گی نا؟" میں علیزے کو مطمئن کر کے گھر آیا تھا۔ لیکن آج میرا دل بھی کافی حد تک ہلکا پھلکا ہو چکا تھا ایک گرہ کھل گئی تھی اور ایک ابھی باقی تھی کہ اس کے ڈر اور خوف کی کیا وجہ ہے اور کس چیز سے زیادہ ڈرتی ہے؟

☆☆☆

"روشنی بیٹا اوصی کے لیے کھانا لگادو۔" وہ کچن میں کام کر رہی تھی جب امی نے اسے آواز دے کر کہا تھا۔

"جی لگا دیتی ہوں۔" وہ جواباً کافی ریلیکس آواز میں بولی تھی۔

"جاؤ جا کر کھا لو اتنی اتنی دیر گھر سے باہر رہتے ہو لوگ شادی کے بعد ذمہ دار ہو جاتے ہیں تم لوفر ہو گئے ہو۔ نہ جانے کہاں کہاں آوارہ گردی کرتے رہتے ہو؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے بڑبڑا بھی رہی تھیں اور میں ان کی بات اور انداز پہ مسکرانے لگا۔

"اگر ہر وقت گھر پہ رہنا شروع کر دوں تو پھر آپ ہی کہیں گی ضرور بہو نے جادو ٹونا کیا ہے، غلام بنالیا ہے، زن مرید ہو گیا ہے، ہر وقت بیوی کے گھٹنے سے لگ کے بیٹھا رہتا ہے۔ پہلے دوستوں میں رہتا تھا اب عورتوں میں رہنے لگا ہے۔" میں نے امی کی طرف جھکتے ہوئے کہا تو وہ مجھے گھورتے ہوئے یک دم زور سے ہنس پڑی تھیں۔

"بدتمیز بہانے باز۔" وہ مجھے چپت لگا کے چلی گئیں۔ میں نے کچن کا رخ کیا محترمہ کے ہاتھ میں سالن کا ڈونگا تھا جو ذرا کانپا تھا یعنی ہم دونوں کچن میں اکیلے تھے میں کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا اور کھانا شروع کرتے ہوئے دعا پڑھی پھر کھانے کے دوران اسے مخاطب کیا وہ کچن سمیٹ رہی تھی۔

"روشی!" میں نے پہلی بار اسے نک نیم سے پکارا تھا وہ چونکی۔

"جی؟" قربان جاؤں اس "جی" کے میں نہال ہو گیا تھا۔

"تمہیں کھانے میں کیا پسند ہے؟" وہ میرے سوال پہ حیران لگ رہی تھی۔

"مشکل سوال ہے؟"

"نن نہیں مجھے تو چکن بریانی پسند ہے۔"

"ویری گڈ مجھے بھی بریانی اچھی لگتی ہے کل تم وہی بنانا، میں تمہارے ہاتھ کی بنی بریانی کھانا چاہتا ہوں۔"

"جی بنادوں گی۔" انتہائی سعادت مندی کا مظاہرہ ہوا تھا۔

"شاپنگ پہ چلو گی میرے ساتھ؟"

"نہیں مجھے زیادہ شاپنگ کرنے کا شوق نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"فضول میں چیزیں خریدنے اور روپے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"یعنی کفایت شعار ہو؟"

"ہونا بھی چاہیے، روپے اتنی آسانی سے تو نہیں آجاتے؟"

"لیکن یار روپے تو میرے ہیں تمہیں کیوں فکر ہونے لگی؟"

"فکر کیوں نہیں ہوگی آپ غیر تو نہیں میرے اپنے......"

بات اور تیر ایسے ہی نکل جاتے ہیں اور مجھے اس ادھوری "بات" نے پوری "بات" کا لطف دیا تھا وہ نظریں جھکا گئی تھی گویا وہ احساس کرنا جانتی تھی۔ بس دور دور رہتی تھی اور یہ دور رہنا بھی اس کے اپنے اختیار میں نہیں تھا ورنہ وہ سب نزاکتیں سمجھتی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد واش بیسن پہ ہاتھ دھو کر میں اس کے قریب جا رکا، بے حد قریب، وہ کسی دھیان سے چونکی اور گھبرا کے پلٹی۔

"کچھ نہیں یار، ہاتھ پونچھ رہا ہوں۔" میں اس کے دوپٹے سے ہاتھ پونچھ رہا تھا وہ کچھ نروس سی ہوگئی۔

"تھینک یو کھانا اچھا تھا اور تمہاری اپنائیت بھی۔" میں اس کا پلو چھوڑ کر آہستگی سے کہہ کے کچن سے نکل آیا اور وہ میرے نرم نرم لب و لہجے اور کچھ کچھ بے نیاز لاپروا انداز سے پرسکون لگنے لگی تھی اس کے خوف کی شدت کم ہو چکی تھی وہ جو میری موجودگی سے خائف ہو جاتی تھی اب ریلیکس ہوتی تھی۔

☆☆☆

"میں نے اس سے کیا فرمائش کی تھی میں بھول گیا تھا مگر اس نے یاد رکھا اور میری فرمائش پوری کی تھی جسے سن کر مجھے یقین نہیں آیا تھا۔

"بھابی نے بریانی بنائی ہے۔" انوشہ کی بات میں نے سرسری سی تھی۔

"بھائی! میں کہہ رہی ہوں بھابی نے پہلی دفعہ آپ کے لیے بریانی بنائی ہے آپ نے کہا تھا شاید۔" وہ میرا موبائل چھین چکی تھی اور مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا لیکن جب ٹیبل پہ بریانی دیکھی تو میں دیوانہ ہو گیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ میری بات کو قابل اعتنا جانے گی اور اتنی محنت کرے گی۔

"چلو تم دونوں کو آئس کریم کھلا لاؤں۔"

"نہیں میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔"

"آ کر پڑھ لینا۔"

لیکن وہ نہیں مانی تھی۔ مجبوراً آئس کریم گھر لے کر آنا پڑی تھی مگر میں سب کے لیے لے کر آیا تھا۔ پہلے غانیہ کو اس کے گھر آئس کریم پہنچائی پھر مہرین پھر علیزے اور زریں بھابی کو اور آخر میں روشانے اور انوشہ کے لیے گھر لے آیا تھا۔ سب ہی نے وجہ پوچھی تھی اور میں نے سبھی کو صاف صاف بتایا تھا کہ بیوی کے ہاتھ کی بریانی کھائی ہے اس لیے منہ میٹھا کروا رہا ہوں۔

"یہ تمہارا انعام۔" میں نے آئس کریم کے ساتھ ایک چاکلیٹ اسے دیا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔ وہ چاکلیٹ پسند کرتی تھی۔

"تھینک یو۔" آج وہ تھینکس بول رہی تھی اور یوں چھوٹی چھوٹی باتوں میں وہ مجھ پہ ڈیپینڈ کرنے لگی تھی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھی کہہ دیتی تھی اگرچہ بہت زیادہ بے تکلفی تو اب بھی نہیں تھی مگر پہلے والے خوف و ہراس اور اجنبیت کے بادل چھٹ گئے تھے اب تھوڑا سکون نظر آتا تھا۔ ہم میاں بیوی تو ابھی بھی نہیں بن سکے تھے البتہ دوست بن گئے تھے اور شاید میں ایسا واحد آدمی ہوں جو اپنی ہی بیوی سے دوستی کر کے خوش ہو رہا تھا میرے لیے اس کی "دوستی" بھی بڑی اہم اور بے حد عزیز تھی (ہے ناں عجیب بات بیوی سے دوستی کر کے خوش ہونا) بہرحال مجھے اس دوستی کے بڑے فائدے ہو گئے تھے کیوں کہ وہ ریلیکس لگنے لگی تھی۔

☆☆☆

آج میں گھر پہ تھا جب ہمارے گیٹ کو دھکیلتی ہوئی روتی بلکتی عانیہ میرے پاس آئی تھی۔ میں امی اور پاپا کے ساتھ لان میں بیٹھا تھا۔ انوشہ کچن میں اور روشانے شاور لے رہی تھی۔ عانیہ کی حالت دیکھ کر ہم تینوں گھبرا گئے۔

"وصی بھائی امیر بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"اللہ خیر کرے۔" امی گھبرا گئی تھیں۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"وہ......وہ ہسپتال سے فون آیا تھا لیکن گھر پہ اور کوئی بھی نہیں ہے۔"

"ڈونٹ وری امی! آپ اس کا خیال رکھیں ہم ابھی پتہ کرتے ہیں۔" میں گاڑی کی طرف بڑھا میرے پیچھے پاپا بھی آ رہے تھے۔ وہ عانیہ سے ہسپتال کا نام پتہ پوچھ رہے تھے۔ میرے گاڑی نکالنے تک وہ بھی آ چکے تھے۔ جب ہم ہسپتال پہنچے تب سمیر آئی سی یو میں تھا۔ اس کا ایکسیڈنٹ ایک اسکول کے قریب ہوا تھا، چھٹی کا وقت تھا بچے قطار در قطار گیٹ سے نکل رہے تھے اور وہ بائیک پہ سوار تھا۔ اچانک دونوں سائیڈوں سے بچے سامنے آ گئے جن کو بچاتے ہوئے اس نے ایک دم بائیک کو موڑا اور پیچھے سے آتی تیز رفتار گاڑی اسے ٹکر مار گئی تھی اور وہ فٹ پاتھ کی ایک طرف سے دوسری طرف جا گرا تھا اور شدید زخمی ہوا تھا۔ خون کافی زیادہ بہہ چکا تھا۔ میرا اور سمیر کا بلڈ گروپ میچ کر گیا تھا اس لیے میں نے اسے بلڈ بھی دیا اور باقی سب کے آنے تک دوائیوں اور ڈاکٹرز کے لیے بھاگ دوڑ بھی کرتا رہا۔ چھوٹے ماموں، اشعر، کاشان، حسان سب ہی آ چکے تھے اور پھر رات بھر ہم لوگ جاگتے رہے۔

گھر سے بار بار فون آ رہے تھے۔ تمام خواتین بے حد پریشان تھیں، رو رہی تھیں اور ساتھ ساتھ دعائیں بھی جاری تھیں۔

"وصی تم گھر چلے جاؤ کافی تھک چکے ہو کل سے یہاں ہو۔" چھوٹے ماموں میرے قریب چلے آئے تھے۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔"

"دیکھو بیٹا جس طرح سمیر کی صحت ہمارے لیے ضروری ہے اسی طرح تمہاری صحت بھی سمیر کے لیے ضروری ہوگی۔ ہم ٹھیک ہوں گے تو

کچھ کریں گے ناں، جاؤ تھوڑی دیر آرام کرو پھر آ جانا شاباش۔" انہوں نے زبردستی مجھے گھر بھیج دیا تھا۔

"سمیر بھائی کیسے ہیں؟" وہ تیزی سے میرے قریب آئی تھی۔ مجھے اس کا متفکر انداز اچھا لگا۔ اپنوں کے لیے پریشان ہونا اچھی بات ہوتی ہے۔

"ابھی ہوش نہیں آیا زیادہ چوٹیں سر میں آئی ہیں لیکن تم دعا کرو اللہ کرم کرے گا۔" میں اس سے کہہ کے اوپر بیڈروم میں جا رہا تھا جب میرے قدم کسی کی سسکیوں سے تھم گئے۔ میں نے ٹھہر کر آگے پیچھے دیکھا کہیں کچھ نظر نہیں آیا تھا آگے بڑھا تو پھر آواز سنائی دی، تب میں پلٹ آیا، سیڑھیوں کی سائیڈ میں جائے نماز بچھائے انوشہ دعا مانگ رہی تھی اور اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ وہ میرے قدموں کی چاپ سے بھی متوجہ نہیں ہوئی تھی اس کے دل سے نکلنے والی دعا صرف اس کا رب سن رہا تھا۔ میری سماعتیں خاموش لبوں کی صدا سننے سے قاصر تھیں کیوں کہ مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں تھی لیکن ہمارا رب تو وہ کچھ بھی سن لیتا ہے جو ہم عمر بھر نہیں کہتے۔

"وسی او وسی! انوشہ، سمیر بھائی ہوش میں آ گئے ہیں۔" روشانے فون سن کر ہماری تلاش میں بھاگی تھی۔ امی چھوٹی ممانی کے پاس ان کے گھر پہ تھیں اور انوشہ دعا مانگتے ہوئے یک دم بے یقینی سے پلٹی تھی۔

"مبارک ہو۔" میں نے اسے ہی مبارک باد دے ڈالی اور پھر اس کا سر تھپک کر پلٹ گیا لیکن پلٹتے ہوئے میں نے روشانے کا ہاتھ بھی پکڑ لیا تھا اور اسے اپنے ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ یقیناً بے دھیانی میں تھی یا پھر خوشی کے زیر اثر جو میری گرفت کا اسے احساس نہیں ہوا تھا تبھی میرے ساتھ بیڈروم تک آ گئی تھی۔

"سب سے زیادہ پریشان انوشہ ہو رہی تھی کل سے روتے ہوئے دعائیں کر رہی ہے۔" وہ اپنی ہی دھن میں بول رہی تھی اور میں اپنی ہی دھن میں بے خود ہوا جا رہا تھا لیکن کیا کرتا اپنی حد میں رہنا میری مجبوری تھی۔ مجھے اس کو اعتماد میں لینا تھا لیکن انسان کے جذبات بھی تو کوئی چیز ہوتے ہیں ہر وقت تو پابند نہیں رہ سکتے کبھی کبھی اپنا آپ منوانے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ میری بھی کچھ ایسی ہی حالت ہو رہی تھی کل رات کی بے خوابی دو دن کی تھکن روشانے کی قربت اور اس پہ اس کی معصوم سی لاپروائی دیکھ کر میرا دل بے ایمان ہو گیا تھا اور میں اس کی طرف جھکتے ہوئے گستاخی کر بیٹھا تھا۔ وہ نہ جانے کیا بات کر رہی تھی اسے بریک لگ گئے۔

وہ اک پل میں خوف زدہ ہوئی اور یک دم مجھ سے دور ہو گئی۔

"روشی، ہم دونوں......"

"پلیز مجھے جانے دیں۔" وہ بوکھلا گئی تھی۔ میری بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

"لیکن تم مجھ سے اتنی خوف زدہ کیوں رہتی ہو تم اتنا فاصلہ کیوں رکھتی ہو، ہم میاں بیوی ہیں، ہمارا نکاح ہوا چکا ہے، محرم ہیں ہم دونوں، تم میرے لیے اور میں تمہارے لیے غیر نہیں ہیں۔" میں نے اسے کندھوں سے تھامنا چاہا وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ اس کی بے اختیاری دوبارہ سے عود کر آئی تھی۔ میں ذرا سی بے خودی کے باعث اعتماد کے علاقے سے نکالا گیا تھا۔

"پلیز مجھے ہاتھ مت لگائیں، مجھ سے دور رہیں۔" وہ ہانپنے لگی اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔ مجھے اپنی حرکت کا ذرا دیر سے احساس ہوا تھا۔

''اوکے! اوکے میں تمہیں ہاتھ نہیں لگاتا۔ سوری رئیلی سوری۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے محض اس کی خاطر اپنے اتنے پاکیزہ، شفاف جذبے کو غلطی قرار دے دیا تھا اور ''آئندہ ایسا نہیں ہوگا'' کا بہلاوا دیا تھا کیوں کہ ''آئندہ ایسا نہ ہو'' یہ ہوسکتا ہے بھلا؟ دل تو آخر دل ہے ناں کسی بھی وقت ہاتھوں سے نکل سکتا ہے ہم کیا کرسکتے ہیں؟ وہ میرے روکنے کے باوجود روتی ہوئی باہر چلی گئی تھی۔ خیر ایک نہ ایک دن سمجھ جائے گی انشاءاللہ مجھے یقین تھا۔

☆☆☆

روشانے کو میرے ساتھ ہسپتال میں دیکھ کر علیزے کی آنکھوں میں حیرت کا جہان امڈ آیا تھا۔ وہ کبھی کہیں نہیں جاتی تھی لیکن آج میں اسے بہلا پھسلا کر سمیر کی عیادت کے لیے لے آیا تھا اور یہ میری کوششوں کا پہلا ثمر تھا۔ کوششیں شاید اسی طرح رنگ لاتی ہیں۔ وہ بار بار مجھ پہ اعتبار کرنے پر مجبور ہو رہی تھی کیوں کہ میں اس کے ساتھ فرینڈلی بی ہیو کر رہا تھا اور اسی دوستانہ پن میں کبھی کبھار اپنی بے خودی اور اپنے رشتے کا معنی خیز ''تڑکا'' بھی لگا دیتا تھا اور وہ خوف کی حدود سے نکل کر خفا ہونے لگی تھی مگر مجھے اس کے خوف سے ڈر لگتا تھا خفا ہونے سے نہیں وہ ہزار بار خفا ہوتی میں ہزار بار منانے کو تیار تھا کیوں کہ وہی تو اپنی زندگی تھی۔

''لگتا ہے آج مجھے اٹھ کر سلامی دینا پڑے گی۔'' سمیر کی بات پہ وہ جھینپ گئی تھی۔

''یہ آپ کے لیے۔'' اس نے بُکے سمیر کی طرف بڑھایا تھا۔

''اللہ خیر کرتا ہم بڑے کمزور دل بندے ہیں ہمیں روشی گفٹ دے رہی ہے پھول لے کر آئی ہے۔'' سمیر نے چھیڑا اور وہ ہنس پڑی۔ میں اس کی ہنسی سے نظر نہیں بچا سکا۔

''جناب! یہ ہسپتال ہے۔'' وہ بیماری کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہا تھا۔ میری نظر کی وارفتگی فوراً بھانپ گیا تھا۔

''یہ بکواس کرنا کم کرو تو جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' میں نے گھورا۔

''آج لگ رہا ہے کہ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' اس نے بے ساختہ کہا اور دروازے کی سمت دیکھا۔ اس کے چہرے اور نظروں میں سمانے والے رنگوں کے عکس میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے۔ میں نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا علیزے اور انوشہ اندر داخل ہو رہی تھیں۔ علیزے تو اپنے شوہر سے کافی محبت کرتی تھی سمیر کا اس سے کیا تعلق تو پھر انوشہ؟ میں یک دم ہی ٹھٹک گیا تھا۔

''انوشہ اور سمیر ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہیں؟'' اس سوالیہ نشان نے مجھے چونکا دیا تھا۔

''لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے یہ محض میری نظر کا دھوکا ہو؟'' اور میں نے نظر کا دھوکا سمجھ کر اس بات کو نظر انداز کر دیا تھا مگر کب تک کر سکتا تھا نظر تو آخر نظر ہے ناں؟ واپسی پہ علیزے بھی میری ہی گاڑی میں بیٹھی تھی انوشہ اور علیزے دونوں مل کر روشانے کو میرے حوالے سے چھیڑ رہی تھیں۔ ان کی نوک جھونک کافی دلچسپ تھی۔

''وہی بھائی! ہم نے تو آپ کو بغیر پروں کے چڑیا دی تھی۔ آپ نے تو اس کے پر نکال دیے ہیں۔ جواب دینے لگی ہے۔'' علیزے

روشانے کی کسی بات پر چلائی تھی۔
روشانے کبھی کبھار تو ایسے موڈ میں آئی تھی میں مداخلت کر کے اس کی خوشگواری میں خلل نہیں ڈال سکتا تھا بلکہ دونوں بہنوں کو چونچ لڑاتے دیکھتا رہا تھا۔

”بدلہ چکانے لگی ہو؟“ ”میں تو عید سے بہت محبت کرتی ہوں تم اپنی سوچو۔“

”میں بھی وصی......“ اس کی بے ساختہ جملہ بازی پر ہم تینوں قہقہہ لگا کر ہنسے تھے اور علیزے اپنی کامیابی پہ کھلکھلا رہی تھی جبکہ روشانے نے چہرہ جھکا لیا تھا۔

”مان گئے بھی روشی کو بھی وصی بھائی سے بہت محبت ہے آخر بہنوں کے سامنے دیدہ دلیری سے اظہار کر رہی ہے۔“

علیزے نے اسے سراہا تھا وہ خجل ہوتی رہی اور میں بیڈ روم میں آنے تک اس بات کو انجوائے کرتا رہا تھا۔ اور اس بات کا اس کے سامنے اظہار بھی کر دیا۔

”فضول سی باتوں پہ کتنا خوش ہوتے ہیں۔“ وہ چڑ گئی اور میں مزید دل کھول کر ہنسا۔

”تمہاری میرے لیے محبت فضول تو نہیں ہے۔“

”وہ تو علیزے آپی تنگ کر رہی تھیں اس لیے۔“

”ویسے یار علیزے بڑی زندہ دل اور پر اعتماد لڑکی ہے مجھے بڑی اچھی لگتی ہے۔“ میں بیڈ پہ لیٹ چکا تھا۔

”پھر آپ لوگ خود ہی بیہ زندہ دلی اور اعتماد روند ڈالتے ہیں۔“ وہ تلخی سے بولی اور مجھے اس کی اتنی گہری اور سنجیدہ بات پہ جھٹکا لگا تھا۔

”بیہ روند ڈالنے سے کیا مراد ہے؟“

”شاید کچھ نہیں۔“ وہ اب صوفہ پہ تکیہ رکھ کر لیٹنے کی تیاری کر رہی تھی۔

”میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کاش مجھے بھی پر اعتمادی بیوی ملی ہوتی کاش میری بیوی بھی زندہ دل اور خوش مزاج ہوتی۔“

”دوسری شادی کر لیں آپ کا ”کاش“ پورا ہو جائے گا۔“ اس نے چادر پھیلاتے ہوئے تنک کر کہا تھا۔

”اوہو جلن؟ تو اس کا مطلب ہے بیویوں والے ”جراثیم“ پیدا ہونا شروع ہو گئے ہیں؟“ میں نے شرارت اور معنی خیزی سے کہا۔

”جلن کے لیے نہیں کہہ رہی صرف اس لیے کہہ رہی ہوں کہ آپ ”مرد“ لوگوں کی کبھی ہوس پوری نہیں ہوتی۔“ اس نے بات کیا کہی میرے سوئے ہوئے نفس پہ ایک تازیانہ لگا تھا۔ میں بلبلا اٹھا تھا۔

”ہوس؟ مجھے ہوس کا طعنہ دے رہی ہو، میں ہوس زدہ ہوتا تو آج تم میرے بیڈ پہ ہوتیں اس صوفہ پہ نہیں۔“ میں نے اٹھ کر اس کے اوپر سے چادر ایک جھٹکے سے کھینچی تھی اور وہ سہم گئی۔ اس کا خوف زندہ ہو گیا تھا۔

”پلیز مجھے معاف کر دیں۔ مم مجھ سے غلطی ہو گئی پلیز مجھے معاف کر دیں۔ وصی پلیز مجھے معاف کر دیں...... میں نے کچھ نہیں کیا۔ وصی

اللہ کے لیے مجھے معاف کر دیں وصی پلیز......" وہ چہرے پہ ہاتھ رکھ کے چیخ رہی تھی چلا رہی تھی اور میں حیران پریشان کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اکیلی ہی نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔

"روشی! روشی ہوش میں آؤ۔" میں نے اسے جھنجوڑا۔

"میں مر جاؤں گی پلیز......پلیز میرے قریب مت آئیں، مجھے ہاتھ مت لگائیں۔ مجھ سے دور رہیں، میں مر جاؤں گی۔" وہ آنکھیں بند کیے جیسے تڑپ رہی تھی اور میں اسے جھنجوڑ رہا تھا۔

"روشنی میں کچھ نہیں کر رہا، میں تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا دیکھو ہوش میں آؤ روشانے بات سنو۔" میں نے بے قابو ہوتی روشانے کو زور سے پکارا مگر بے سود رہا اور ایسے میں میرا ہاتھ اٹھا اور زناٹے سے اس کے چہرے پر نقش ہو گیا۔ تکلیف تو بہت ہوئی مگر زہر کا تریاق زہر سے ہی ہوتا ہے وہ ہوش میں آ چکی تھی اور بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی اور نہ جانے کتنی ہی دیر یوں ہی روتی رہی۔ میں اٹھ کر ٹیرس میں آ گیا تھا۔ ہوا میں کھلی خنکی میرے تپتے اعصاب کو سکون دینے میں بڑی معاون ثابت ہوئی تھی۔ میں باہر کی کھلی فضا میں گہری سانسیں لیتا اس الجھے ریشم کو سلجھانے کی ہمت پیدا کر رہا تھا۔

☆☆☆

میرا سیل اک تواتر سے بج رہا تھا اور میں باتھ روم میں شیو بنا رہا تھا۔ میں نے سوچا روشانے کمرے میں ہے وہ دیکھ لے گی لیکن وہ دیکھنے کی بجائے موبائل اٹھا کر میرے پاس آ گئی۔ باتھ روم کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے وہی میرے لیے تولیہ اور جوتے رکھ گئی تھی۔

"کس کا نمبر ہے؟" میں نے برش سے چہرے پہ فوم پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

"انٹرنیشنل کال ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"میرے ہاتھ صاف نہیں ہیں تم اسپیکر آن کرو میں بات کرتا ہوں۔" میں ریزر کو سیٹ کر رہا تھا میرے کہنے پہ اس نے اسپیکر آن کر کے موبائل میرے سامنے کر دیا تھا۔

"یس وصی بات کر رہا ہوں۔"

"جانتا ہوں تم ہی بے غیرت بات کر رہے ہو۔ کب سے نمبر ڈائل کر رہا ہوں کہاں تھے؟" میرے ساتھ ساتھ روشانے بھی چونک گئی تھی۔ دوسری طرف عبید تھا علیزے کا شوہر اور میرا اہم راز۔

"جہاں ہونا چاہئے وہیں ہوں۔" میں نے شرارت اختیار کی تھی۔

"بیڈ روم میں؟" وہ فوراً بولا۔

"نہیں باتھ روم میں۔"

"کیا تم باتھ روم میں کال سن رہے ہو؟" وہ یک دم چلایا تھا۔

''شیو بنا رہا ہوں، شاور نہیں لے رہا۔''

''اوہ میں سمجھا تم ابھی بھی اپنی ذلیل......''

''دیکھو یار میں اب شادی شدہ ہوں، ذرا احترام سے بات کرو، میرے بیوی بچے سن لیں تو کیا سوچیں گے؟'' میں نے اسے خفگی سے ٹوکا، میری بات سے روشانے رخ موڑ گئی تھی۔

''واٹ بچے بھی ہو گئے؟ تم نے ہمیں بتایا بھی نہیں۔ ویسے مجھے پتہ ہے تم ان کاموں میں بڑے تیز ہو تم نے......''

''ارے رے بریک تو لو تم تو گھوڑے پہ سوار ہو گئے ہو، میں نے محض محاورا بولا تھا۔'' روشانے کو کنفیوژ ہوتے دیکھ کر میں نے اس کو روک دیا تھا۔

''اوہ اچھا، ارے ایک بات تو میں بھول ہی گیا میں پاکستان آ رہا ہوں۔'' عنید نے خوشی خوشی بتایا تھا۔

''کس لیے؟'' میں نے اس کی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا وہ یقیناً سمجھ گیا تھا۔

''علیزے کے لیے، اپنی بیوی اپنی زندگی کے لیے، قسم سے یار میں اس سے ملنے کو بے تاب ہو رہا ہوں۔'' روشانے اس کی باتوں پہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''خوش قسمت ہو بھئی تمہارے تو سارے کام سیٹ ہو گئے ہیں۔'' وہ مجھے کہہ رہا تھا۔

''ابھی کہاں؟'' میں اتنی آہستگی سے بولا کہ صرف وہ سن سکی تب تک میں شیو بنا چکا تھا تولیے سے چہرہ صاف کر کے ہاتھ پونچھ کر موبائل اس کے ہاتھ سے لے چکا تھا وہ تیزی سے باہر چلی گئی اور میں نے اسپیکر آف کر دیا۔

اگلے دو دن خاصے مصروفیت میں گزرے تھے میرڈ سچارج ہو کر گھر آیا تھا اور عنید کی آمد بھی ہو چکی تھی۔ سب کزنز کو موقع مل چکا تھا۔ سب علیزے کو تنگ کر رہے تھے اور اس تنگ کرنے میں پہل میں نے اور روشانے نے کی تھی۔ علیزے کافی خوش نظر آ رہی تھی کیوں کہ عنید اور علیزے میں کافی انڈراسٹینڈنگ تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے مزاج آشنا بھی تھے۔ نکاح سے پہلے اکثر بحث و مباحثے میں الجھے پائے جاتے تھے نکاح کے بعد وہ اپنی جاب کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا اور علیزے جدائی میں خوش رہنے کے ریکارڈ قائم کرتی رہی تھی۔ اب شادی متوقع تھی۔

☆☆☆

دسمبر کی ابتدا ہو رہی تھی جب موسم میں اترتی یخ تنہائیوں نے ہر دل کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا تھا۔ ایک ماہ انگلینڈ میں گزار کر کل ہی واپس آیا تھا لیکن روشانے کے مزاج جنوز دیکھے تو دل بجھ سا گیا تھا۔ سب میری اداسی اور سستی دیکھ کر وجہ پوچھ رہے تھے اور میں ہمیشہ کی طرح انہیں ٹال مٹول جواب دیتا رہا۔

میں گیارہ ماہ سے روشانے کا ایک جیسا موڈ وہی ڈر خوف وہی بے اعتباری وہی دور دور رہنا دیکھ کر چڑ گیا تھا۔ مجھے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ آخر کچھ تو زندگی میں چینج آتا میں تو کوششیں کر کر کے ہارنے لگا تھا۔ صرف علیزے تھی جو میری ہمت اور حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی اور میں اسی کے

سمجھانے بجھانے پر دوبارہ سے مضبوط ہونے لگتا تھا۔ آخر ایک دن تو میرے صبر اور کوششوں کو رنگ لانا تھا اور وہ دن آج کا دن ہوگا مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔

موسم صبح سے ہی ابر آلود ہو رہا تھا لیکن مغرب سے پہلے ہی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ انوشہ اور روشانے دونوں کچن میں رات کے کھانے کا انتظام کر رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ بارش کا زور بڑھنے لگا اور روشانے کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ اسکے ہاتھ پیر کانپنے لگے تھے۔ انوشہ نے اس کی حالت دیکھی تو کمرے میں بھیج دیا جہاں آ کر وہ اور زیادہ خوف زدہ ہوئی تھی۔ ملازمہ کو بلانے بھیجا تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔

میں پاپا اور انوشہ کے ساتھ باتوں میں ایسا گم ہوا کہ وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلا لیکن جب کمرے میں آیا تو مجھے اس کی گھٹی گھٹی چیخوں کی آواز سنائی دی تھی۔ میں نے چونک کر آگے پیچھے دیکھا وہ مجھے کہیں بھی نظر نہ آئی۔ بیڈ بھی خالی تھا اور صوفہ بھی۔ میں نے حیرت سے دیکھا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ جیسے ہی باتھ روم کی سمت قدم بڑھائے میرا دماغ چکرا گیا میں بوکھلا گیا۔ وہ بیڈ کی دوسری سائیڈ پر نیچے قالین پر بیٹھی دیوار اور بیڈ کے کونے میں ایک گٹھری کی مانند دبکی ہوئی تھی۔ اس نے چہرہ گھٹنوں میں دے رکھا تھا اور گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔

''روشی!'' میں نے بے اختیار پکارا۔

''روشی!'' اس کے قریب دوزانو بیٹھتے ہوئے میں نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ تڑپ گئی۔ ابھی اس نے وحشت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا ہی تھا کہ لائٹ آف ہو گئی اور اس کی چیخ بڑی بے ساختہ تھی اور اسی بے ساختگی اور خوف میں وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ بادلوں کی گرج اس کی ہی نہیں میری بھی جان نکالنے کے درپے تھی کیوں کہ اس گرج میں اس کی سسکیاں اور سہمی سہمی سرگوشیاں تھیں۔

''وصی! وصی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ مجھ سے لپٹ کر میرے لیے امتحان کھڑا کر رہی تھی۔ اس نے میری شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچا ہوا تھا۔

''کس سے ڈر رہی ہو؟''

''وہ وہ لڑکے...... وہ لڑکے وصی پلیز۔'' وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور میں لڑکوں کے نام پر بری طرح چونکا۔

''کون لڑکے؟'' میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے وہ مزید گھٹ گھٹ کے رونے لگی۔ اتنا تو اندازہ ہو ہی چکا تھا کہ وہ حواسوں میں نہیں ہے اور اس وقت اسی چیز سے خوف زدہ ہے جس سے پہلے روز ہوئی تھی کیوں کہ اس وقت تو وہ مجھ سے بھی خوف زدہ نہیں تھی الٹا میری ہی بانہوں میں چھپ رہی تھی۔ میں نے روشنی کرنے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ مجھ سے الگ ہونے کو تیار نہیں تھی۔ مجبوراً میں اسے اندھیرے کے باوجود اپنے حصار میں ہی بیڈ پر لے آیا، ماچس نکال کر کینڈل جلائی اور اسے خود سے الگ کیا۔

''دیکھو میں اس وقت تمہارے پاس ہوں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟'' میں نے اسے سمجھایا، تسلی دی لیکن وہ میری شرٹ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی اسی لیے میری درگت بنا تھی سو تمام رات بنی اور میں تمام رات اپنے آپ سے نظریں چراتا رہا۔ وہ رات میرے پاس بیڈ پر رہی اور میں آنکھ اٹھا کے بھی اسے دیکھ نہ سکا۔ یہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی بات نہیں حقیقت ہے کہ میرا حوصلہ میرا صبر بھی کمال تھا، رات بھر اس کے بال سہلاتے ہوئے اور اسے تحفظ کا احساس دلاتے ہوئے گزار دی۔ خیر سودا مہنگا نہیں اللہ نے کرم کر دیا۔

صبح روشانے اپنے حواسوں میں آئی تو کتنی ہی دیر مجھے دیکھتی رہی۔ پھر آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر باتھ روم میں چلی گئی۔ میں رات بھر نہیں سویا تھا اس لیے کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گیا۔ آفس لیٹ بھی ہو جاتا تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیوں کہ پاپا مجھ سے پہلے چلے جاتے تھے ابھی بھی غنودگی میں تھا جب وہ میرے اوپر کمبل ڈال گئی تو گویا جو رات گزری تھی وہ اعتماد کی اعتبار کی رات تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ دنیا میں سب ایک جیسے نہیں ہوتے جو کچھ ہم سوچتے ہیں اور جو کچھ ہمارے لاشعور میں ہوتا ہے وہی سچ نہیں ہوتا۔ اکثر سچ بڑی دیر بعد نظر آتا ہے اور شاید روشانے کو بھی سچ نظر آ گیا تھا۔ سچ تو آخر سچ ہے ناں؟

☆☆☆

تقریباً چار دن مسلسل بارش ہوئی تھی اور یہ چار دن روشانے کی زندگی میں بالکل نئی طرز کے دن تھے کیوں کہ جو کچھ وہ سوچتی تھی یہ دن ان سے مختلف تھے۔ اس نے صوفہ چھوڑ کر بیڈ پر سونا شروع کر دیا تھا اور سونے سے پہلے وہ میرا ہاتھ پکڑنا نہیں بھولتی تھی۔ میں اس کے معصوم سے خوف پہ مسکرا دیتا۔ علیزے مجھے بتا چکی تھی کہ وہ طوفانی بارش سے ڈرتی ہے مگر اب لگ رہا تھا کہ یہ ڈر تھوڑا ختم ہو چکا ہے بس اثرات باقی ہیں کیوں کہ ڈر تو ختم ہونا ہی تھا۔ آخر چار راتوں سے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی میں اپنے ''دائرے'' میں تھا اور انتہائی ''شریف'' بنا ہوا تھا۔ یہی شرافت ہماری گفتگو میں بھی ہوتی تھی جو اس وقت بھی تھی مگر باتوں کا رخ کسی اور سمت مڑ گیا تھا۔

''آپ بہت اچھے ہیں ویسی بہت اچھے......'' وہ بڑے دل اور جذب سے بولی تھی۔ میں نے حیرانی سے دیکھا نظر کا دھوکا یا پھر سماعتوں کا دھوکا سمجھوں؟ میں نے اپنے آپ سے پوچھا تھا لیکن اس وقت کچھ بھی دھوکا نہیں تھا۔

''وہ کیسے؟'' میں نے اپنے برابر بیڈ پر بیٹھی روشانے کو دیکھا۔

''یہ تو میں نہیں جانتی لیکن میں صرف یہ جانتی ہوں کہ آپ سچ مچ بہت اچھے ہیں آپ باقی لوگوں جیسے نہیں ہیں آپ برے نہیں ہیں۔'' وہ جذباتی ہو گئی اور میں باتوں سے باتیں نکالتا چلا گیا اور وہ سارے ریشم خود ہی سلجھانے بیٹھ گئی تھی۔ اسے میرے اعتبار اور یقین کی آنچ مل چکی تھی اسے پگھلنا ہی تھا۔

☆☆☆

''میں گیارہ سال کی تھی مجھے ہر چیز میں انٹرفیئر کرنے کا شوق تھا۔ میں ہر گیم کھیلتی تھی ہر ایک کو تنگ کرتی سب کے ساتھ ہنسی مذاق اور کھیل کود بھی ہوتا رہتا تھا۔ میرے لیے میرے بھائی میرے کزنز سب ایک جیسے تھے۔ میں بالکل نارمل تھی، پڑھنے لکھنے میں بہت اچھی اور پڑھنے کے میدان میں میری سہیلیاں بھی بہت اچھی تھیں لیکن اچھوں کے ساتھ کبھی ''اچھا'' نہیں ہوتا۔ میری ایک دوست بہت پیاری تھی۔ اس کا نام حرا تھا وہ اسکول بڑی خوشی خوشی جاتی تھی لیکن پھر اس کی یہ خوشی کم ہونے لگی اور ہم سب نے اس کی وجہ پوچھی تو پہلے تو وہ بتاتی نہیں تھی لیکن جب اس نے بتایا تو......''

بات کرتے کرتے وہ جیسے منجمد سی ہو گئی۔ چپ ہو کر اپنے ہاتھوں کو مسلنے لگی۔ اس کے وجود میں ہلکے اضطراب کی جھلک مجھے صاف محسوس ہو رہی تھی پھر بھی میں نے کوئی مداخلت نہ کی اور اسے بولنے کا اور تسلسل برقرار رکھنے کا موقع دیا۔

''ہمارے سر صاحب...... وہ اچھے نہیں تھے! حرا بارہ سال کی تھی مگر وہ اچھی صحت کی وجہ سے چودہ پندرہ سال کی نظر آتی تھی اور سر وہ...... وہ

اس دنیا کے گھٹیا اور ذلیل لوگوں سے بدتر تھے وہ۔۔۔۔۔۔وہ بھیڑیا۔۔۔۔۔۔" روشانے مٹھیاں بھینچ کر چیخ اٹھی تھی اور میں "سر" کا لفظ سن کر ہی سن ہو گیا تھا۔

"وہ انسانوں کے روپ میں بھیڑیا تھے انہوں نے حرا کو۔۔۔۔۔۔" اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور انگلیاں اتنے زور سے بھینچی ہوئی تھیں کہ ناخن اپنے ہی ہاتھوں میں پیوست ہونے لگے اور میں نے اس کی حالت دیکھ کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر کچھ سوچ کر رک گیا۔

"حرا سب کو بتانا چاہتی تھی کہ پروفیسر صاحب اسے اپنے آفس روم میں بلاتے ہیں اور غیر اخلاقی حرکتیں کرتے ہیں لیکن پروفیسر صاحب نے اسے دھمکیوں سے ڈرایا تھا لیکن جو کچھ حرا نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا وہ میرے ذہن سے کبھی نہیں نکل سکا۔ مجھے سب ٹیچرز سے نفرت ہونے لگی اور انہی دنوں امی ابو علیزے آپی ایک ساتھ کسی شادی کے فنکشن میں چلے گئے تھے۔ گھر پہ صرف حنان بھائی تھے اور میں تھی۔ کاشان بھائی بھی گھر پہ نہیں تھے۔ میرے ایگزام ہونے والے تھے مجھے پیپر کی تیاری کرنا تھی لیکن حرا کے مسئلے کے بعد دماغ ہر وقت الجھا رہتا تھا میں ڈرائنگ روم میں اکیلی بیٹھی تھی جب حنان بھائی بھی وہیں آ گئے وہ اشعر بھائی کے ساتھ کہیں جا رہے تھے ان کے جانے کا سن کر میں گھبرا گئی کیوں کہ مجھے اکیلے میں ڈر لگنے لگا تھا۔

"دیکھو روشی بس آدھے گھنٹے کی بات ہے تم ٹی وی دیکھو تب تک ہم آ جاتے ہیں شاباش۔" وہ مجھے کہہ کر اور ٹی وی پہ ایک انڈین چینل لگا کر چلے گئے تھے اور میں انہیں روک بھی نہیں سکی میں کیا کر سکتی تھی۔ مجبوراً اپنے ڈر سے دھیان ہٹانے کے لیے ٹی وی دیکھنے لگی۔

باہر بارش شروع ہو چکی تھی۔ دروازے اور کھڑکیاں جیسے پاگل ہو کر دیواروں سے سر پٹخ رہے تھے۔ میں صوفے میں تقریباً چھپنے کی کوشش کر رہی تھی ڈرامہ چل رہا تھا اور ڈرامہ میں چار لڑکے ایک کم عمر لڑکی کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور وہ ایک جنگل میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی مجھے لگ رہا تھا وہ لڑکی حرا ہے اور پھر وہی ہوا جس کا خوف میرے اندر پہلے سے موجود تھا۔ اس لڑکی کا ریپ چار لڑکوں نے کیا تھا۔ اس لڑکی کی چیخیں ٹی وی سے نکل کر میرے کانوں تک آ رہی تھیں لیکن میری چیخیں ہمارے گھر سے باہر جا رہی تھیں۔ وہ انڈین چینل تھا اور اس کے سین کو انہوں نے بہت نمایاں کیا تھا اور میرے لاشعور میں جو کچھ تھا وہ سب میرے سامنے واضح ہو چکا تھا اب میری حالت خود میری سمجھ اور میرے اختیار سے باہر تھی۔ کب چوکیدار اور اس کی بیوی میرے پاس آئے؟ کب حنان بھائی آئے؟ کب امی ابو اور علیزے آپی کی واپسی ہوئی مجھے کچھ خبر نہیں تھی۔ مجھے دو دن بخار رہا اور میں دو دن بعد ہوش میں آئی تو میرے منہ سے ابھی بھی چیخیں نکل رہی تھیں۔ مجھے سب لڑکوں سب مردوں میں وہ۔۔۔۔۔۔ وہ چار لڑکے اور وہ پروفیسر صاحب نظر آتے تھے۔ امی ابو ڈاکٹرز کو بلاتے تو میں اور زیادہ پاگل ہو جاتی اور میں نے مردوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا۔ مجھے ہر مرد بھیڑیا لگنے لگا تھا مجھے بس یہی یاد تھا کہ مرد لڑکیوں سے برا سلوک کرتے ہیں برے ہوتے ہیں، میں اپنے ابو اور بھائیوں سے دور رہنے لگی۔

میں نے اپنے کزنز سے بات کرنا چھوڑ دیا۔ ڈیڑھ ماہ بعد اسکول گئی تو پتہ چلا حرا اور اس کے امی ابو یہ شہر چھوڑ گئے ہیں۔ پروفیسر صاحب کو پولیس لے گئی ہے اور بہت سی لڑکیاں اسکول کو خیر باد کہہ چکی ہیں۔ یوں وہ اسکول میں نے بھی چھوڑ دیا۔ نئے اسکول میں ایڈمیشن لیا وہاں انوشہ بھی پڑھتی تھی لیکن میرا ڈر پھر بھی ختم نہ ہوا۔ مجھے اکثر خوف لگا رہتا تھا اور میری طبیعت اکثر ہی خراب ہونے لگی تھی۔ جب بھی کوئی میری طرف دیکھتا میرا دھیان اس ڈرامے کی طرف چلا جاتا تھا اور پھر حرا کی باتیں کانوں میں گونجنے لگتی تھیں میں سو نہیں پاتی تھی لیکن علیزے کے بعد آپ نے مجھے بہت سہارا دیا تھا میں جب بھی سنبھلنے کی کوشش کرتی پھر کوئی نہ کوئی بات ایسی ہو جاتی کہ میرا دماغ الٹ جاتا تھا کبھی بے ارادہ ہی اخبار پر نظر پڑ جاتی تو آٹھ سال کی

بچی سے زیادتی، پانچ سال کی بچی سے زیادتی اور کبھی کبھی ایک بچی سے اجتماعی زیادتی کی خبر پڑھ کر میرا خوف کم کیا ہو سکتا تھا مزید بڑھنے لگا اور ایسی حالت میں اگر کوئی مجھے ڈاکٹر کے پاس چلنے کو کہتا یا پھر زبردستی لے جاتا تو میرا دم گھٹ جاتا اور طیبہ آپی ہمیشہ میرے لیے ڈھال بن جاتی تھیں۔

پھر آپ سے منگنی ہوئی تو میرا خوف امڈ آیا تھا میں نے ہر طرح سے شادی سے انکار کیا تھا کوئی میری بات نہ مانا، میں جو مردوں کے نام سے بھی دور بھاگتی تھی ایک مرد کے ساتھ رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی مجھے لگتا تھا آپ میرا......" وہ کہتے کہتے رو پڑی تھی لیکن اب میرا دم گھٹنے لگا تھا۔

میں جو ہمیشہ چاہتا تھا کہ روشانے کی شخصیت کے ادھورے پن اور ڈر خوف کا راز مجھے ملے وہ راز کیا ملا کہ میری نظر اٹھنے کے قابل نہیں رہی تھی میں ایک "مرد" تھا لیکن مجھے مرد ہونے پر شرمندگی ہو رہی تھی کہتے ہیں کہ معاشرہ مردوں سے ہوتا ہے اور جب مرد اچھے نہیں ہوں گے تو معاشرہ کیسے اچھا ہوگا اور اس معاشرے میں روشانے جیسی کمزور اور معصوم لڑکیوں کو خوف زدہ ہی تو ہونا تھا آخر آس پاس اتنے بھیڑیے جو دور ہے تھے جو کبھی چھپ کے وار کرتے تھے اور کبھی کھلے عام اجتماعی حملہ کر ڈالتے تھے۔

وہ میرے سامنے بیٹھی رو رہی تھی اور میں اسے تسلی دلاسا دینے کی بھی ہمت نہیں رکھتا تھا کیونکہ میں بھی تو ایک "مرد" تھا اور روشانے کے دکھائے ہوئے آئینے میں اپنی صورت دیکھ چکا تھا اپنے گریبان میں جھانک لیا تھا کہ ہم مرد لوگ "کیا" ہیں؟ صرف اور صرف نفس کے پجاری انفس کے آگے اندھے ہو جانے والے! اپنے رشتے اور مرتبے کا تقدس پامال کرنے والے، اپنی شخصیت کے بلند مینار کو پل میں زمین بوس کر دینے والے! اخبارات، ٹی وی، رسالے در حقیقت ہماری وحشتوں سے بھرے پڑے ہیں ہم عزتوں کے محافظ ہو کر بھی عزتوں کو دھجیوں میں بکھیر رہے ہیں اس دنیا کی خوبصورتی مجروح کر رہے ہیں اور دنیا سمجھتی ہے کہ مرد اس کائنات کی مضبوط ترین مخلوق ہے لیکن دنیا یہ نہیں جانتی کہ یہی مضبوط ترین مخلوق اس کائنات کی خوبصورت ترین مخلوق "عورت" کو روند رہی ہے اور جب اس کائنات سے خوبصورتی مٹ گئی تو اس کائنات کا کیا ہوگا؟ جب ہر طرف خوف و ہراس ہوگا تو محبتیں جنم کیسے لیں گی؟ قیامت کیونکر رکے گی؟"

قیامت تو آئے گی جب بہن بیٹیاں اپنے ماں جائے بھائیوں اور باپ سے ڈرنے لگیں گی؟ جب بیوی شوہر کو ایک لٹیرا اور اپنے رشتے کو ریپ سمجھنے لگے گی! جب ایک استاد بھیڑیا بن جائے گا جب حرا جیسی معصوم کم سن بچیوں کو اپنا گھر اپنا شہر چھوڑنا پڑ جائے گا۔ قیامت آئے گی حشر اٹھے گا دنیا تباہ ہوگی پھر ہم "مرد" لوگ کیا کر سکیں گے؟ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم مضبوط مخلوق مضبوط بن کر دکھائیں؟ ہم عورت کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائیں ہم محافظ ہیں ہم رکھوالے ہیں۔

ہمیں کمزور نہیں ہونا چاہیے ہمیں نفس کے بہاؤ میں آکر بہنا نہیں چاہیے کیونکہ ہم "مرد" ہیں ہمیں مضبوط ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ کمزوری کا فائدہ اٹھا رہے ہیں! مزا تو جب ہو کہ ہم اک کمزور کو اپنے مضبوط ہونے کا "مان" دے سکیں اور وہ کمزوری نازک ہستی ہماری سنگت پر ناز کرے ہمارے لیے اپنی محبتیں اور وفائیں نچھاور کرے ہماری سلامتی کے لیے دعا گو رہے نا کہ ہمارے لیے اسے بددعا کرنا پڑے اور پھر ہم فخر سے کہہ سکیں "ہم تو آخر ہم ہیں ناں؟"

☆☆☆

حنان کا رشتہ انوشہ کے لیے آیا تھا لیکن انوشہ تو جیسے کھانا پینا بھول گئی تھی میں بے شک اس کا بھائی تھا میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ کچھ سوچوں مگر پھر بھی میں نے سوچا اور اپنے دوست اپنے جگری یار کے دل کا خیال رکھا اپنی بہن کی خوشیوں کو ترجیح دی اور امی پاپا کے سامنے حنان کے رشتے سے انکار کر دیا۔

''لیکن کیوں؟'' امی کو تعجب ہوا تھا مگر روشانے میرے انکار سے کچھ مطمئن سے نظر آئی تھی شاید وہ جانتی تھی کہ انوشہ کہاں انٹرسٹڈ ہے؟

''امی پلیز! اتنا جذباتی ہونے سے پہلے انوشہ سے پوچھ لیں۔''

''میں نے پوچھا ہے اس سے وہ کہتی ہے جہاں آپ کی مرضی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' امی کے جواب پہ مجھے حیرانی ہوئی اور پھر یہ بھی جان گیا کہ وہ ماں باپ کا اعتماد توڑنے سے ڈر گئی ہے اس نے ماں کا مان رکھ لیا تھا اور جو بیٹیاں یوں قربانی دینے سے گریز نہ کریں ان کو تو سب سے زیادہ محترم رکھنا چاہیے۔

''پھر بھی مجھے یہ رشتہ منظور نہیں آپ ماموں کو انکار کر دیں!'' امی نے میری بات سن کر روشانے کو دیکھا وہ سب کو چائے سرو کر کے خود بھی وہیں بیٹھ گئی تھی آج کل محترمہ کے پر اعتماد سے انداز و اوا بدلے انوکھے سے لگتے تھے میں دیکھتے رہنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

''تم کیا کہتی ہو بیٹا؟'' حنان آخر اس کا بھائی تھا اس کی مرضی جاننا بھی ضروری تھا۔

''پھوپھو یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں کچھ سوچ سمجھ کر ہی اور یقیناً ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے۔'' اس نے مدبرے انداز میں جواب دیا میں کپ ہونٹوں سے لگائے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا کہ ''یہ روشانے ہی ہے پر اعتماد سی؟'' پھر وہ میری نظروں سے نظر چرا گئی اور میں جان گیا کہ اس کے کہنے کا مطلب کیا تھا کیونکہ وہ یقیناً انوشہ کے دل کا حال جانتی تھی۔

''بڑی گھنی ہو؟ سچ کہتے ہیں کہ میسنا بندہ بڑا گہرا ہوتا ہے!'' وہ کھڑکی کھولے کھڑی تھی جب میں نے اس کو پیچھے سے بانہوں میں بھرتے ہوئے شرارت سے کہا وہ میرے حصار سے چونکی پھر سنبھل گئی وہ ابھی بھی ڈرتی تھی لیکن یہ ڈر اب صرف ایک فیصد رہ گیا تھا ننانوے فیصد وہ مجھ پہ بھروسہ کرنے لگی تھی اور اسے یہ بھی یقین آ گیا تھا کہ میاں بیوی کے درمیان ہر تعلق جائز ہوتا ہے وہ اک دوسرے کی عزت اک دوسرے کا لباس ہیں۔

''میں نے ایسا کیا کہا ہے؟'' وہ خفگی سے بولی۔

''انوشہ کی شادی کے لیے کیا خیال ہے کہاں بہتر رہے گا؟''

''سمیر بھائی کے ساتھ'' وہ فوراً بولی اور میں ہنس پڑا۔

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں میسنی ہو سب جانتی ہو پھر بھی مجھے ستا رکھا ہے'' میں نے اسے اور زور سے بھینچا تو وہ گھبرا گئی تھی۔

''کیوں غلط کہہ دیا ہے؟'' وہ میرے تیوروں سے سہم گئی۔

''تم اپنی نند کے لیے کچھ سوچ رہی ہو تو اچھا ہی سوچ رہی ہو گی میں انکار کرنے والا کون ہوتا ہوں اب انوشہ سمیر کے ساتھ ہی رخصت ہو گی۔'' میں نے جس فراخدلی کا مظاہرہ کیا تھا وہ بھی اچھی طرح سمجھ گئی تھی جب ہی کھلکھلاتی ہوئی میرے حلقے سے نکل گئی اور پلٹ کر مجھے معنی خیزی

سے دیکھنے لگی۔

"سب مفاد دیکھ لیے ہیں نا اس لیے کہہ رہے ہیں ورنہ بھی بات میں حسان بھائی کے لیے کہہ دوں تو آپ کی یہ فراخدلی اور اپنائیت دھری کی دھری رہ جائے گی پھر آپ کہیں گے تم کون ہوتی ہو میری بہن کی زندگی کا فیصلہ کرنے والی......؟" (اوہ میرے اللہ) میں ہکا بکا اس کی صورت دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے شرارت سے دیکھ رہی تھی۔

"یعنی چالاک ہو گئی ہو ابھی نکالتا ہوں تمہاری ساری چالاکی!" میں خطرناک ارادوں سے آگے بڑھا اور وہ تتلیوں کی طرح اڑتی ہوئی دروازہ عبور کر گئی اس کی کھلکھلاہٹ میں کمرے کے اندر بھی سن سکتا تھا۔ کھسیا کر اپنے بال کھجا کے رہ گیا۔

☆☆☆

علیزے اور عبید کے ساتھ ہی سمیر اور انوشہ کی شادی بھی آج اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی ارے......رے رے صرف ان چاروں کی ہی نہیں میری اور روشانے کی بھی! ظاہری بات ہے بھئی پہلے تو ہم اجنبی ہی بن کے رہ رہے تھے لیکن اب ہمیں میاں بیوی اور ایک دوسرے کا ساتھی بن کے رہنا تھا اپنے دکھ سکھ بانٹنے تھے مجھے ایک اچھا شوہر اچھا مرد بن کے دکھانا تھا لیکن اچھا شوہر بننے سے بھی زیادہ اچھا مرد بننا ضروری تھا تاکہ دوسروں کی بہن بیٹیوں کی عزت کر سکتا۔

علیزے کی دوست کی والدہ نے جو سائیکاٹرسٹ بھی تھیں بالکل درست اندازہ لگایا تھا کہ وہ مردوں سے ڈرتی ہے اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جب عورت مرد سے خوف کھانے لگے تو اس سے محبت کیسے کرے گی اس کی روح کی اس کے قلب کی راحت کیسے بنے گی؟ اس کا گھر کیسے سنوارے گی؟ اس کی نسل کیسے آگے بڑھائے گی؟ اور یہی ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے ہمیں اپنی وحشتوں پہ قابو پانا ہوگا جائز اور نیک راہوں کو اپنانا ہوگا ایک نہ ایک دن کامیابی ضرور ہوگی جیسے مجھے ہوئی ہے۔

اب مجھے اپنے حال دل کو سمیٹنا چاہیے کیونکہ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی کل بڑے شوق اور اصرار سے میں نے اس کے ہاتھوں پہ مہندی لگوائی تھی سب کہہ رہے تھے کہ لوگوں کو دلہنوں (علیزے اور انوشہ) کی فکر ہے جبکہ مجھے روشانے کی فکر ہے سب سے چھپ کے بیوٹیشن کو اپنے بیڈروم میں چھوڑ گیا تھا تاکہ وہ روشانے کو مہندی لگا دیتی اور اب مجھے اس مہندی کے رنگ میں اپنی محبت کا رنگ بھرنا تھا اور روشانے کے چہرے سے شرم وحیا اور خوشی کے رنگ چرانا تھے اپنے دل کو سیراب کرنا تھا جو کب سے تشنہ بیٹھا تھا لیکن رب نے سیراب کرنے کا موقع دے دیا تھا کیونکہ "رب" تو آخر رب ہے ناں؟"